

①

مجالس تراہنی

(جلد چہارم)

عنوان عشوہ

علم معصوم

علامہ رشید تراہنیؒ

مرتبہ

الحاج علامہ سید ضمیر اختر نقوی

مرکز علوم اسلامیہ

فلیٹ نمبر ۴ - آئی - نعمان ٹیس - فیز - ۳ -
یونیورسٹی روڈ - گلشن اقبال بلاک - گیٹ ۱۰ - کراچی

بشکریہ سید قاسم علی باقری سلمہ
دعا گو سید نذر عباس رحمتی
۱۱-۱۱-۲۰۰۸

(پہلا ایڈیشن) ۱۹۹۳ء

یہ الیکٹرونک PDF فائل اپنے بچوں کے لیے بنائی
دوسرے مومنین بھی استفادہ کر سکتے ہیں
اگر ان کے محالک میں اردو اسلامی بکس
دستیاب نہ ہوں -
طالب دعا

سید نذر عباس رضوی
۱۱-۱۱-۲۰۰۸

موبائل نمبر: 0300-2778856

مرکز علوم اسلامیہ

فلپٹ نمبر ۴- آئی نغمان ٹیرس - فیز ۳

یونیورسٹی روڈ گلشن اقبال بلاک گیارہ کراچی

فہرست ”علمِ معصوم“

۱۵	_____	مجلسِ اوّل
۲۷	_____	مجلسِ دوم
۴۱	_____	مجلسِ سوم
۵۵	_____	مجلسِ چہارم
۶۷	_____	مجلسِ پنجم
۸۳	_____	مجلسِ ششم
۹۹	_____	مجلسِ ہفتم
۱۱۳	_____	مجلسِ ہشتم
۱۳۱	_____	مجلسِ نہم
۱۴۴	_____	مجلسِ عاشورہ
۱۴۹	_____	مجلسِ شامِ غریبان (کوثر)

حضرت علامہ رشید ترائیؒ کے بکے میے

اُن کے فرزند آیت اللہ علامہ عقیل ترائیؒ کے تاثرات

خطیب عالم اسلام علامہ رشید ترائیؒ کو دوسرے علماء کی بد نسبت ایک خصوصی انفرادیت حاصل تھی، مرحوم ایک مذہبی یا سیاسی رہنما ہی نہیں تھے کہ جن کے انتقال کے بعد انھیں فراموش کیا جائے بلکہ وہ ایک تاریخ ساز رہنما تھے جنھوں نے قوم کے افکار میں بڑی تبدیلی ایجاد کی، علامہ مرحوم نے تقسیم ہند کے بعد خاص طور پر افکار مذہبی کو منظم کرنے کی کوشش کی اور قوم کے لئے مرکزیت ایجاد کی، علامہ مرحوم کو جو جامعیت اور زندگی کے ہر شعبے میں جو عبور حاصل تھا وہ بہت کم افراد کو نصیب ہوتا ہے، میں اپنے والد کے بارے میں باپ اور بیٹے کے تعلق سے نہیں بلکہ ایک غیر جانبدار انداز میں پاکستان کے اس نامور خطیب کی زندگی پر اظہار خیال کرنے کا حق رکھتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ میری زندگی کا زیادہ حصہ ایران اور عراق کے علماء کی خدمت میں گزرا اور میرا مشرق وسطیٰ کے بہت سے مذہبی رہنماؤں سے رابطہ رہا، یورپ اور امریکہ کے سبھی علماء اور اسکالرز سے بھی ملنے اور اُن کی تقاریر سننے کا موقع ملا لیکن میں پاکستان کے اُس عظیم المرتبت خطیب کے بارے میں غیر جانبداری اور انصاف کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس دور میں حضرت علامہ رشید ترائیؒ مرحوم کا خطاب، قیادت، علمیت و ادب میں کوئی جواب نہیں تھا اور تقریباً میرے اس خیال کو مولانا مہار القادری نے بھی اپنے ایک مقالے میں نقل کیا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انھوں نے

امریکی مقرر سبلی گرام کی مثال دیتے ہوئے کہا تھا کہ امریکہ میں سبلی گرام کو ایک اعلیٰ رتبہ حاصل ہے وہ بہت بڑا مقرر ہے لیکن اُسے سوائے یورپی زبانوں کے علاوہ مشرقی زبانوں پر عبور نہیں ، وہ قرآن شریف سے نا بلد ہے جبکہ علامہ مرحوم نہ صرف مشرقی زبانوں پر بھی عبور رکھتے تھے اور اُن کا بائبل کا بھی بڑا ذوق مطالعہ تھا ، مغربی افکار و فلسفے کو بھی جانتے تھے وہ نہ صرف خطیب بلکہ ایک مفسر ، محدث ، فقیہ ، ادیب اور شاعر بھی تھے ۔

حضرت علامہ رشید ترائی کی نجی اور بیرونی زندگی میں کوئی فرق نہیں تھا وہ کسی مخصوص طبقے یا فرقے ہی کی فکر نہیں کرتے تھے بلکہ ان میں ایک جامعیت تھی وہ گھر میں بھی گفتگو کرتے تو ایسا لگتا تھا کہ نشتر پارک یا خالق دینا مال میں تقریر کر رہے ہوں ۔ علامہ مرحوم باپ ہونے کے باوجود عام اجتماع میں بھی میرا اس طرح خیال رکھتے تھے جیسے ایک عالم دوسرے عالم کا خیال رکھتے ہیں ، میں نے ۹ سال قُم (ایران) اور ۴ سال نجف اشرف (عراق) میں تعلیم حاصل کی لیکن حقیقت اور انصاف یہ ہے کہ علامہ مرحوم کی تقاریر سے میرے علم میں اضافہ ہوا اور میں نے خطابت میں کچھ مقام حاصل کیا ، میں انہیں کامرہ یون مننت ہوں اور مجھ پر اُن کی تقاریر کا اثر قُم اور نجف اشرف کی قدیم درس گاہوں سے زیادہ رہا اور یہی وجہ تھی کہ علامہ مرحوم کو مجھ پر اعتماد تھا اور اُنھوں نے سنہ ۱۹۷۰ء میں مجھے لندن سے طلبہ کے اپنی زندگی ہی میں اپنی تمام مجالس میرے سپرد کیں ، آخری دور میں بھی وہ فطری طور پر باندھ ہی حیثیت سے میری طرف زیادہ متوجہ تھے اور جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو حالت علالت میں میرے گھر شریف لائے اور چند اہم کلمات مجھ سے فارسی میں کہے اس وقت بھی انھیں ذہن پر قابو تھا ۔ میرا فرض ہے کہ میں اپنے قبلہ گاہی کے ارادوں کو پائے تکمیل تک پہنچاؤں اور سچ بھتا ہوں کہ قوم کے تعلیم یافتہ افراد اور معزز افراد مل کر اُن کی یادگار کو باقی رکھ سکتے ہیں ۔

قابلِ مبارک باد میں مولانا ضمیر اختر نقوی جنھوں نے بڑی محنت اور کاوش کیساتھ حضرت علامہ مرحوم کی تقریروں کو ٹیپ سے کاغذ پر منتقل کیا اور سلیقے کے ساتھ مرکز علوم اسلامیہ نے شائع کیا ہے ، علامہ مرحوم کی یہ تقاریر قوم و ملت کی امانت ہیں ، ان تقاریر کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیا گیا ہے تاکہ ہر ایک فائدہ اُٹھائے اور ثواب حاصل کرے ۔

الْیَسْرَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِیدٌ

آیا تم میں سے کوئی شخص رشید (کامل) نہیں۔

(سُورَةُ هُودٍ ۷۸)

ملتِ جعفریہ کے سینکڑوں افراد نے اپنی حیاتِ فنِ خطابت پر صرف کی اور نہ معلوم کتنی زحمتوں کے بعد خطیب یاذاکر کے نام سے مشہور ہوئے لیکن آج دنیا ان کے نام تک نہیں جانتی ، مقررین وذاکرین ہمیشہ گوشہ نگہی میں رہے اُن پر کوئی تحقیقی کتاب تو مشکل امر تھا آج تک کوئی معلوماتی مضمون بھی کسی نے نہیں لکھا ، چند ناگزاتی مضمون خطیبوں کے بارے میں دستیاب ہیں لیکن تحقیقاتی جائزے سے متعلق مضمون اب تک نہیں لکھا گیا۔ مرثیہ نگاروں کے ہزاروں اشعار لوگوں کو یاد ہیں لیکن مشہور خطیبوں کے پُر اثر اور شگفتہ جملوں سے علم و ادب کے شائقین بھی اب تک بے خبر ہیں۔ خاص طور سے نئی نسل تو قدیم ذاکرین کے نام تک سے واقف نہیں ہے۔ خطابت اور خطیبوں پر ایک تحقیقی کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جا رہی ہے حالانکہ خطیبوں پر تحقیقی کتاب لکھنا کسی قدر آسان ہے اس لئے کہ اب تک ہر دور میں خطیبوں کی تعداد شعراء کے مقابلے میں ہمیشہ کم رہی ہے اور جو فنِ خطابت ہماری عباداری میں رائج ہے یہ زیادہ قدیم بھی نہیں ہے۔

فنِ خطابت ایک ایسا مکملہ فطری ہے جو اپنی تمام تر شان و شوکت کے ساتھ ہر شخص کو قدرت کی طرف سے عطا نہیں ہو کر نا، ایک عالم اور قابل شخص ایک اچھی تقریر کر سکتا ہے لیکن جاذبیت پیدا نہیں کر سکتا۔ ایک بہترین خطیب کے لئے ضروری ہے کہ اس میں صداقت شعاری ، شخصی و جاہلیت ، طلاقِ لسانی اور موقع شناسی ہو، بہترین خطیب بے ریا کردار اور بلند نصیب العین

کا مالک ہو، وہ باخبر ذہن اور بے عیب آواز رکھتا ہو، وہ متعلیق اشارات اور صحیح تلفظ کے ادائیگی کا ماہر ہو، حاضر جوابی، برجستہ گوئی اور وحدت مقصد میں اس کا جواب نہ ہو، ہر دنی پامردی، مجمع کی نفسیات سے آگاہی، فہم عامہ و مہارتِ تامہ، مطالعہ کی وسعت اور مشاہدہ کی لگن اُسے بام عروج پر پہنچا دیتی ہے۔

خطابت کے اثرات اور افادیت سے کسی کو انکار نہیں ہے، فن خطابت نے بے بغیر مہند و پاک میں ہماری ثقافت اور ہمارے ادب کو بہت کچھ دیا ہے، اردو زبان کی ترویج اور تہذیبی تلہیر میرے نمایاں حصّہ لیا ہے اس کے باوجود ہمارے خطیبوں کا نام گوشہ گنماں میں چلا گیا اور آج دنیا انھیں سبھول گئی اس کی واحد وجہ صرف یہ ہے کہ خطیبوں کی زندگی ہی تک ان کی تقریروں کی زندگی رہی، اگر ان تقریروں کو محفوظ کر لیا جاتا اور ان پر تحقیقی مقالے لکھے جاتے تو شاید نئے ادب و مذہب میں یہ بھی ادب کی ایک اہم صنف ہوتی۔ چند خطیبوں کے مسودے اکثر و بیشتر چھپے لیکن انھیں نقد و تبصرہ کی میزان میں کبھی نہ تو لاجسا کا، کیونکہ عقیدے کا مسئلہ چھینٹنے سے آگیا، فن خطابت کو تنقیدی معیار سے پرکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ادبِ شری ایک بہترین صنف گوشہ گنماں میں پڑی رہی۔

ستو سال کے عرصے میں فن خطابت کا جو ڈھانچہ تیار ہوا ہے اُسے چند نقطوں میں اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ فن خطابت کے ماہرین اپنی تقریر کا آغاز خطبے سے کرتے ہیں اور خطبے کے خاتمے پر قرآن کی کسی آیت یا حضرت پیغمبر اسلام کی کسی حدیث کو سرنامہ کلام بناتے ہیں اور اسی کی روشنی میں مضامین بیان کرتے ہیں، تقریر کی ابتدا میں ذکر فضائل اہلبیت اور آخر میں معائب اہلبیت کا بیان ہوتا ہے۔ ذکر حسین کے فیض سے فن خطابت نے اپنی ارتقائی منزلتیں بتدریج خوبصورتی کے ساتھ طے کی ہیں۔ خطابت کا سب سے بڑا فائدہ ملتِ جعفریہ کو یہ پہنچا کہ اس ملت کے افراد بچپن ہی سے دوسری اقوام کے مقابلے میں بہت زیادہ معلومات کا ذخیرہ اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتے ہیں اور اس طرح اپنے دین کے ماضی سے ان کا رشتہ مسلسل ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ملتِ جعفریہ کے افراد کا ذہن خالص ناقدانہ ہو جاتا ہے اور باطل کی تحریر و تقریر پر

کے قریب میں کسی صورت سے نہیں آتے، تیسرا فائدہ یہ ہے کہ عقائد اس قدر مستحکم ہو جاتے ہیں کہ ملت جعفریہ کے افراد سے عقائد پر گفتگو کرنا دوسری قوم کے افراد کے لئے بہت مشکل ہو جاتا ہے، چوتھا فائدہ یہ ہے کہ اردو بولنے والے ہر قوم کے افراد کے مقابلے میں ملت جعفریہ کے افراد زبان و بیان کے اصولوں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ ادب اور شاعری کا ذوق اور مطالعہ کا شوق بھی افراد قوم کو ہم ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ ساتھ ہی ہر دور میں نئے نئے خطیب اپنی خطابت کی تعمیر بھی اپنے بزرگ خطیبوں کی خطابت سے متاثر ہو کر کرتے ہیں۔ میں نے لکھنؤ سے کراچی تک ہر مبالغہ ہزاروں مجلسوں میں شرکت کی اور ہندوستان و پاکستان کے مشہور خطیبوں اور ذاکروں کی سینکڑوں تقاریر سنی ہیں، ان کے شگفتہ طرز بیان کی یاد دل پر نقش ہو گئی ہے، مولانا سید کلب حسین مرحوم عرف کبیر صاحب، مولانا سید ابن حسن صاحب، مولانا محمد نعیم، مولانا سید اولاد حسین مرحوم عرف لیکن صاحب، مولانا محسن نواب صاحب مرحوم، مولانا نجم الحسن صاحب، مولانا مرزا محمد طاہر صاحب عرف ملا طاہر، مولانا شمس الحسن بجنوری، مولانا سید محمد صاحب دہلوی، مولانا سید ابن حسن جارحوی مرحوم، مولانا سلیمان عباس مرحوم، ان میں سے چند خطیبوں کی خطابت کے موضوع پر ۱۹۶۹ء کے ارشاد کراچی محرم نمبر میں ایک تفصیلی مضمون تحریر کر چکا ہوں، ان تمام خطیبوں کی خطابت لاجواب تھی لیکن علامہ رشید ترائی مرحوم کا رنگ و آہنگ کسی حد تک سب جداگانہ تھا۔ انھوں نے طرز خطابت کو ایک ایسے سانچے میں ڈھال دیا تھا جس میں جدید و قدیم علوم کی تمام لطافتیں سمٹ آئی تھیں۔

علامہ رشید ترائی مرحوم کے مزاج میں مشکل پسندی ضرور تھی وہ اپنی تقریروں میں زیادہ گہرے مضامین کے لئے دقیق زبان بولا کرتے تھے اس کے باوجود ان کے طرز ادا میں بلا کا سحر تھا اور اپنی وسعت نظر اور وسعت زبان کے باوجود وہ اپنے سامعین کو چند لمحوں میں اس طرح مست کر لیتے تھے کہ ان کے ایک ایک فقرہ پر وہ جھومنے لگتے تھے۔ ان کی تقریروں میں ریسرچ اور علمی تحقیق کے عجیب رخ ہوتے تھے، خطابت کے لئے جن امور سے پوری واقفیت ضروری ہے

علامہ رشید ترائی مرحوم ان سب علوم سے بخوبی واقف تھے، اشارات، استعارات، تلمیحات، شعر، احادیث، تفسیر، قرآن پاک غرض انھیں ان سب سے باموقع اور بر محل استفادہ کرنا اچھی طرح آتا تھا، انھیں قرآن پاک کا بیشتر حصہ یاد تھا، وہ پنج البلاغہ کے تقریباً حافظ تھے، انھوں نے مولانا روم اور اقبال کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا، وہ انگریزی زبان اور جدید علوم پر پورا عبور رکھتے تھے، وہ سائنٹفک عہد کی ضروریات اور عمری تقاضوں کا کُلّی شعور رکھتے تھے، انھوں نے ائمہ طہارتؑ کے پیش کردہ فلسفہ زندگی کے مطابق ہر علمی بات کو مسلمانوں کے مفادات کے لئے پیغام بنا کر پیش کیا۔ انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی اپنے علم اور اپنی خطابت سے وہ معیاری خدمت انجام دی ہے جو اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کے اوراق پر ہمیشہ نمایاں رہے گی۔ پورے ہندوستان میں دبستان لکھنؤ کی خطابت کا سکہ چلتا تھا، ملت جعفریہ کا ہر خطیب لکھنؤی رنگ سے ہی وابستہ رہا، علامہ رشید ترائی مرحوم بھی اُسی دبستانِ خطابت کے ایک رکن میں لیکن قدیم خطیبوں میں اور اُن میں ایک واضح فرق ہے، اُسی قدیم فنِ خطابت میں ایک آسمانی راستہ پوشیدہ تھا جسے قدیم خطیب تلاش نہ کر سکے، علامہ رشید ترائی مرحوم نے خطابت میں وہ جدید راستہ اُسی طرح تلاش کر لیا جس طرح میر انیس نے قدیم مرثیے میں تلاش کیا تھا،

سدا ہے فکر ترقی بلند بینوں کو
ہم آسمان سے لائے ہیں ان زمینوں کو

علامہ رشید ترائی مرحوم نے قدیم خطابت کو سٹک سے تڑپا تنگ پہنچا دیا، اور بیڑِ خطابت اُن کا اپنا طرز قرار پایا، انھوں نے خطابت میں قرآن کی آیات کا زیادہ استعمال اپنی قوتِ فیصلہ سے کیا تھا، اُن کے عہد میں ہر اسلامی مکتبہ فکر میں قرآن پر تحقیقی و علمی کام کی رفتار بہت تیز تھی، ہر فرقے کا عالم تفسیر قرآن کی تکمیل میں منہمک تھا، اُن کے عہد کی اسلامی آواز قرآنی تھی، انھوں نے آیات پر آیات پڑھ کر آلِ محمدؐ کے قرآنی موقف کو واضح کیا اور بتایا کہ اسلام میں سب سے بڑے مفسر قرآن آلِ محمدؐ ہیں۔ تقریروں میں شدت سے آیات کا پڑھنا علامہ رشید ترائی مرحوم پر

ختم ہو گیا، یہ اُن کے عہد کی ضرورت تھی، اب صرف اُن کی بھدّی نقل باقی رہ گئی ہے۔ انسان عمل کی نقل تو کر سکتا ہے۔ لہجہ کہاں سے لائے گا، اس لئے کہ انھوں نے آیات پڑھنے کا جو لہجہ اختیار کیا تھا وہ یوں تھا کہ جب وہ آیات تلاوت کرتے تو یوں محسوس ہوتا کہ آیات کا نزول ہو رہا ہے اور آج کل کے بعض خطباء آیات کی تلاوت نہایت بے ادبی کے ساتھ کرتے ہیں علامہ رشید ترائی جب آیات کی تلاوت کرتے تھے ایک ایک لفظ موتی کی طرح پرویا ہوا ہوتا تھا اور کانوں میں لفظوں کا آہنگ شہد بن کر ٹپکتا تھا۔ اور آج کل کے خطیب جب آیات کی تلاوت کرتے ہیں تو معاذ اللہ! بلا تشبیہ ذبح کی ہوئی مرغی پھر پھپھراتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علامہ رشید ترائی مرحوم آیات پڑھ کر استنباط یعنی حقائق و نتائج اخذ کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ صرف ”العُجْمُ الْمُفْہَرِسُ“ کی سلسلے وار آیات کو رٹ کر عوام کو سنا دینا ہیں۔ وہ اپنے موضوع کے اعتبار سے آیات کا انتخاب کرتے تھے، اُن کے جو عثرے چھپ چکے ہیں اُن میں یہ بات آسانی سے تلاش کی جاسکتی ہے، کفرانِ نعمت، حیاتِ طیبہ، توحید اور شرک، علمِ معصوم، قیامت اور قرآن، کتابِ حکمت اور ملکِ عظیم وغیرہ۔ علامہ رشید ترائی نے آیاتِ قرآنی کو اپنی تقریروں میں پڑھ کر فکرِ جدید کی نہر ملی تاثيروں کا علاج کیا، انھوں نے آیات کا انتخاب اس طرح کیا تھا کہ نئے مغرب زدہ اذہان کی آوارگی کو شکستہ میں جکڑ دیا تھا وہ ایسے مفسرِ قرآن تھے جو فکرِ نو کے مصلح و مجدد قرار پائے۔ انہوں نے قرآن سے یہودیت اور عیسائیت کو بھرپور جواب دیے، آیاتِ قرآنی کی تلاوت سے جوانوں کو حرارت اور تعلیم یافتہ نسل کو حریفوں سے مقابلے کا انداز بتایا۔ انھوں نے آیاتِ قرآنی کے معنی و مطالب سمجھا کر پاکستان میں اسلامی رُوح کو متحرک کر دیا، انھوں نے آیاتِ قرآنی کی تفسیر اس طرح بیان کی کہ مسلمانوں میں اسلامی نظام کے نفوذ کا شعور پیدا ہوا۔ علامہ رشید ترائی جب حضرت صادق آل محمدؑ کا یہ قول محی الدین عربی کی تفسیر پڑھتے تھے ”اللہ نے اپنے بندوں کے لئے قرآن میں تجلّی کی ہے“ سامعین کی نظروں میں تجلیاں منعکس ہوتی تھیں اور عجیب شان سے تشریح کرتے کہ ”اب یہ آئینیں نہیں ہیں تجلیاں ہیں لفظ آپ کی نگاہوں میں ہے مگر جب قلبِ رسولؐ پر تجلیاں آ رہی تھیں تو تجلیوں کا ترجمہ رسولؐ کر رہا تھا۔“

عنوانِ عشرہ

”علم معصوم“

: دس مجلسیں :

بمقام نشتر پارک

۱۹۷۰ء

عَلَمَہ رَشید تَرابی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ.

سرنامہ کلام کی آیات

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَاللِّسِينِ مِنْ
بَعْدِهِ ؕ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَ
يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَهَارُونَ وَ
سُلَيْمَانَ ؕ وَاتَّبَعْنَا دَاوُدَ زُلَيْخًا ؕ (۱۶۳) وَرُسُلًا قَدْ
قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ
وَكَلامَ اللَّهِ مُوسَى تَكْلِيمًا ؕ (۱۶۴) رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَ
مُنذِرِينَ لئَلَّ يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ
الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ؕ (۱۶۵) لَكِنَّ اللَّهَ
يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ ؕ وَالْمَلَكُ
يَشْهَدُونَ ؕ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ؕ (۱۶۶)

(سُورَةُ النَّسَاءِ آيَات ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶)

(ترجمہ آیات)

”اے رسول! بیشک ہم نے تمہارے پاس بھی تو اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح نوح اور اُن کے بعد والے پیغمبروں پر بھیجی تھی اور جس طرح ابراہیم واسماعیل واسحاق و یعقوب اور اولاد یعقوب و عیسیٰ و ایوب و یونس و ہارون و سلیمان کے پاس وحی بھیجی تھی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ اور تم کو بھی ویسا ہی رسول مقرر کیا جس طرح اور بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے تم سے پہلے ہی بیان کر دیا اور بہت سے ایسے رسول بھیجے جن کا حال تم سے پہلے بیان نہیں کیا اور خدا نے موسیٰ سے بہت سی باتیں بھی کیں۔ اور ہم نے خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے پیغمبر بھیجے تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں کی خدا پر کوئی حجت باقی نہ رہ جائے اور خدا تو بڑا زبردست حکیم ہے۔ (یہ کفار تہیں مانتے تو نہ مانیں) مگر خدا تو اس پر گواہی دیتا ہے کہ جو کچھ تم پر نازل کیا ہے خوب (سمجھ بوجھ کو) اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے۔ بلکہ اس کی گواہی تو فرشتے دیتے ہیں، حالانکہ خدا گواہی کے لیے کافی ہے۔“

علم ایک نور ہے

(علامہ رشید ترائی)

نورِ صبحِ ازل کی یہ امواج
سطحِ تاریخ پر نہیں ہے علم
ہم نے ہر شے کو سرسری دیکھا
رابطِ اشیاء کا یہ مجسمہ دِ علم
علم شیرازہ بند عالم میں
علم ہے نورِ وحی سے مربوط
علم مرکز ہے کائناتِ محیط
علم کی انتہا ارے توبہ
علم ہے عرشِ منتہائے کمال
علم شارحِ انا شناس ہوا
ہے یہی تو انا مدینۂ علم
ربّ زدنی صدائے فکر و نظر
جب حدیں ٹوٹتی ہیں، علم کہاں
ادبِ زلیست اُس پہ ہے لازم
کوئی جاہل ولی نہیں ہوتا
علم کیا ہے بصیرتِ نبویؐ

ذرے ذرے میں ضوئیں ہیں میراج
فکرِ غواص کو ملا یہ تاج
علم ہے نور اور نظر ہے رُجاج
ہے بشر کا ظہور میں محتاج
فی الحقیقت ہے عقل کا سرتاج
جہلِ ظلمت ہے ظلمتوں کا راج
علم و تخلیق لُفّ و نشر ہیں آج
علم نے عقل سے لیا ہے خراج
خطِ سیرِ بشر میں یہ معراج
علم حق سے اسی انا کے لاج
ہے درِ شہرِ اسی انا کا مزاج
ہے سلوئی یہاں کا رسم و رواج
کیوں انا الحق کہے کوئی حلاج
جس کا آغاز نطفۂ امشاج
معرفت بحرِ علم ہے مَوّاج
اہلِ دل کے لئے یہی مہراج

علم ہی سے یقین طلب ہے رشید
ہر شک و ریب کا ہے علم، علاج

مجلسِ اوّل

- ۱۔ آنسو کی اہمیت
- ۲۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کا محرم کا چاند دیکھنا۔
- ۳۔ علم کی تعریف۔
- ۴۔ قرآن میں ارکانِ خطا نہیں ہے۔
- ۵۔ قرآن کو طاہر مَس کر سکتا ہے۔
- ۶۔ علم کا آغاز قوتِ سماعت سے ہوتا ہے۔
- ۷۔ صاحبِ استقامت پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔
- ۸۔ علمی سے علم کوئی چھین نہ سکا۔
- ۹۔ مدینے سے حنین کا سفر۔
- ۱۰۔ اُمّ البنّین سے علمدار کی رخصت۔

عشرہ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ / ۱۹۷۴ء بمقام نشر پارک
یکم محرم الحرام / ۱۰ مارچ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلسِ اول

سنہ ۱۳۹ ہجری کا آغاز ہے، مالکِ لیل و نہار نے اپنی کرامتوں سے ہم کو یہ موقع عطا کیا کہ ہم پھر ایک مرتبہ تجدیدِ عہد و فاکریں۔ پھر ایک مرتبہ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علومِ آلِ حجر سے استفادہ کریں۔ ان مبارک ساعتوں سے اُن برکتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں جن برکتوں سے ہماری حیاتِ معنوی و حیاتِ روحی ہمیشہ مالا مال رہی ہے۔ آج محرم کی پہلی تاریخ ہے۔ یہی دعا ہے کہ جو مہلتیں ہم کو اس طرح غمِ سید الشہداء کے عنوان پر عطا ہوئی ہیں اُن مہلتوں سے ہم فائدہ اٹھائیں۔ بس دُعا تو یہ ہے کہ آنسو نہ تھیں، چاند محرم کا آپ دیکھ چکے، مہمانِ مطمئن ہو کر جائے، جس نے ہمارے چینے کی دعائیں کی ہیں بس وہ مطمئن ہوں کہ یہ جمع ہونے والے اپنا حق ادا کر رہے ہیں۔ دنیا ان آنسوؤں کو سمجھنے کی کوشش تو کرے۔

آنسو کسی پر اعتراض نہیں؟ ... کسی پر حملہ نہیں۔ آنسو ... کسی پر تنقید نہیں ... آنسو تلوار نہیں، آنسو تیر نہیں، آنسو سنان نہیں ... آنسو اعلانِ جنگ نہیں ... پھر کیا بات ہے کہ دنیا جس چیز سے خائف ہے وہ یہی آنسو ہیں۔ دنیا کی کوشش یہی ہے کہ یہ آنسو نہ بہیں، ہم نہ روئیں، غزا نہ ہو، کتنا عجیب سلسلہ قائم کر دیا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے فرزند حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے محرم کا چاند دیکھا اور آنکھ سے آنسو بہنے لگے۔ ابنِ شیبہ بیان کرتا ہے میں بھی ساتھ ساتھ تھا۔ اور میں نے

فرزندِ رسولؐ کو دیکھا کہ چاند دیکھتے ہی رونے لگے مسلسل آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، میری طرف مڑ کر کہا: ابنِ شیب! اگر کسی مصیبت پر رونا آجائے تو میرے غریبِ جبرِ حسینؑ ابنِ علیؑ پر رو لینا، ان جملوں نے ایک انقلابِ فکر پیدا کر دیا، حکومتوں کو یہ کد رہی کہ یہ غم نہ ہو، حکومت یہ نہیں چاہتی کہ دوسری متوازی حکومت قائم ہو ٹھیک ہے لیکن یہ صفتِ غم سے کیوں اتنی کد ہے۔ یہ غم نہ ہو بس یہی تذکرہ جوتانا عظمت والا تذکرہ ہے، ذکرِ مظلوم یہ ایسا ذکر ہے کہ سیری نہ ہو، ذکرِ مظلوم عجیب عنوان ہے۔ آج نشترِ پاک کی اس پہلی مجلس میں ہم ایک مرتبہ پھر یہ عہد کرتے ہیں کہ کسی طرح حق ادا کر دیں! — !!

ان تقریروں کے لیے ہم نے یہ عنوان پسند کیا ہے۔ ”علمِ معصوم“ یہ بڑا ہی بلیغ عنوان ہے۔ اس عنوان پر طویل مباحث کی ضرورت ہے۔ اُمید ہی ہے کہ میرے مفاہیم کو آپ سمجھ سکیں۔

علم کی تعریف کے لیے بسیط کتابیں لکھی گئیں، فلسفہِ علم کے عنوان پر کتابوں کے ڈھیر لگ گئے، نظریہِ علم کے عنوان سے دانش گاہِ تہران میں ایک کتاب ضخیم لکھی گئی ہے اس کتاب میں چالیس صفحہ فقط علم کی تعریف پر لکھے گئے ہیں۔ ظاہر ہے مجلس میں یہ تمام فلسفیانہ مباحث پیش نہیں کیے جاسکتے، میں یہ نہیں چاہتا کہ ان مباحث کو پیش کر کے آپ کے دل و دماغ پر بار لادوں، یہ سیدھا سادہ عنوان کافی ہے کہ بس یہ معلوم کرنے کی کوشش کیجیے کہ معصوم کو علم کہاں سے ملتا ہے؟ کیا آپ کے علاوہ کوئی اور بھی ایسا عنوان قائم کر کے ایسی تقریریں کر سکتا ہے؟ آپ نے یہ عنوان قائم کیا صرف اس لیے کہ وجودِ معصوم ہے جہاں معصوم کا تصور ہی نہ ہو وہاں علمِ معصوم کا منشا، کیا ہو گا۔ نہ معلوم کتنی اصطلاحیں ہم استعمال کر جاتے ہیں جو دوسروں کے لیے ادب میں ناجائز ہیں۔ غیر پر وہ اصطلاحیں زیب نہیں

دیتی ہیں۔ ”علم معصوم“ کے عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے پہلے یہ طے کر لیں کہ گفتگو کہاں سے شروع ہو۔ کیا پہلے یہ گفتگو ہو کہ معصوم کی تعریف کیا ہے۔ ؟ یا بحث کا آغاز اس طرح ہو کہ معصوم کا تعین کر کے یہ طے کریں کہ معصوم نے علم کہاں سے حاصل کیا۔ ؟ اور کیسے حاصل کیا ؟ آپ حضرات کے توسط سے جب ہم دنیا سے مخاطب ہوتے ہیں تو یہ خطاب عیسائیوں سے نہیں ہے، یہودیوں سے نہیں ہے، مجوسیوں سے نہیں ہے، ہندوؤں سے نہیں ہے، بُدھ مت والوں کو یہ دعوت فکر نہیں ہے، ہم اپنی یہ آواز مسلمانوں تک پہنچا رہے ہیں۔ اور جب مسلمانوں سے گفتگو ہے تو پہلے یہ طے کر لیں کہ اگر ہم اور آپ بات کے نتیجے پر نہ پہنچیں تو ایک معیار طے کر لیں کہ ایک کسوٹی، ایک محک موجود ہے وہ فیصلہ کرنے والی ایک شے موجود ہے۔

اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو اُس سے رُجوع کریں گے، تو اے ملتِ اسلامیہ! قرآن سے بڑھ کر بھی کوئی کسوٹی ہے، کوئی معیار ہے، قرآن سے بڑھ کر بھی کوئی محک ہے۔ اگر کوئی بات متنازع ہو جائے تو اُس کا فیصلہ پھر ہم قرآن ہی سے کریں گے۔ اگر اختلاف رائے ہو جائے تو قرآن کی طرف رُجوع کریں گے۔ اس لیے کہ قرآن غلطی نہیں کرتا، قرآن میں امکانِ خطا نہیں ہے، ممکن ہے ہمارا ذہن خطا کرے ممکن ہے اخذ کرنے والے خطا کریں، ممکن ہے ترجمہ کرنے والے خطا کریں، ممکن ہے تفسیر کرنے والے خطا کریں، ممکن ہے معنی کو تلاش کرنے والے خطا کریں، قرآن میں خطا نہیں ہے اور جہاں امکانِ خطا نہیں ہے، وہ معصوم ہے۔

اب ہم اور آپ کسی ایک نکتے پر متحد ہو جائیں کہ کسی معصوم کا وجود تو ہے، ابھی تک یہ بحث تھی کہ معصوم ہے بھی یا نہیں، ؟ اب گفتگو یہاں تک آئی کہ معصوم کا وجود ہے اور وہ ایسا معصوم ہے کہ جہاں امکانِ خطا نہیں ہے

اور اگر ضرورت پڑے کہ کسی بات پر اختلاف رائے ہو جائے تو ہم انتشارِ ذہن کو دور کرنے کے لیے رجوع کریں گے قرآن کی طرف، تو یہ طے کر کے آگے بڑھیں کہ قرآن میں امکانِ خطا نہیں ہے۔ دیکھئے ہماری سماعت میں خطا ہے، ہماری بصارت میں خطا ہے، ہمارے لمس میں خطا ہے، ہمارے شامہ میں خطا ہے، ذائقہ میں خطا ہے، حواس میں امکانِ خطا ہے، اگر کوئی یہ کہے کہ میں نے کسی سے یہ سنا ہے تو ممکن ہے اُس نے کچھ اور کہا ہو کسی اور وقت کہا ہو گا، کسی مصلحت سے کہا ہو گا اور سُنے والے نے اُس کا درک نہیں کیا، اور سُنی ہوئی بات پر اتنا بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے درختوں کے بعض پتوں کو دیکھا ہو گا کہ ہاتھ اگر لمس ہو جائے تو وہ پتے مڑ جھکا جاتے ہیں، مطلب یہ کہ نباتات میں پہلی منزلِ قوتِ لامسہ ہے۔ لمس نے ترقی کی تو پھر سماع بھی ہے، بصر بھی ہے، شامہ بھی ہے، ذائقہ بھی، لیکن حواس کی بنیاد لمس ہے۔ یعنی لمس کرنا۔ اندھوں کو کس طرح سے پڑھاتے ہیں، آپ کو معلوم ہے لمس کے ذریعے۔ بہروں کو کس طرح پڑھاتے ہیں کہ وہ آنکھ سے دیکھتا تو ہے لیکن سُن نہیں سکتا۔ اِس لیے اس کے لامسہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور اگر لامسہ نہ ہو تو اُس کے علم حاصل کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے حواس کی پانچ صورتیں ہیں، سُننا، دیکھنا، چکھنا، سونگھنا، محسوس کرنا۔ باصرہ، سامعہ، ذائقہ، شامہ، لامسہ، مگر بنیادِ حواس لامسہ ہے۔ یعنی حواس کی ابتداء پہلے یہ لمس کرو، اور اگر لمس کرتے ہوئے ہی انسان نجاست اور طہارت کا خیال نہ کرے، اس لیے مس قرآن سے ہشیار — !!

حواس کے کسی اور حصے یا پہلو پر قرآن اس منزل پر گفتگو نہیں کرتا، بلکہ لمس پر گفتگو کی گئی ہے، یہ نہیں کہا قرآن نے کہ دیکھو! جب قرآن پڑھو تو نگاہیں پاک ہوں، سامعہ پاک رہے، نہیں گفتگو یہ ہے: ارشاد ہوا:۔

”اِنَّهٗ لَقُرْآنٌ كَرِيْمٌ ؕ (۷۷)، فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ؕ (۷۸)،
لَا یَسْهُوْهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ (آیت ۷۹) (سُورَةُ الْاَوَاقِعَةِ)

”کتابِ کریم مکنون میں ہے، اُس کو مس نہیں کر سکتا مگر طاهر۔“

قرآن کو مس کرنے کے لیے طہارت کی ضرورت ہے۔ قرآن ایسا معصوم ہے۔ جہاں مس کرنے کے لیے طہارت چاہیے۔ بہر حال حواسِ ذریعہ علم ہیں اُس کے علم حاصل کیا، دیکھ کے علم حاصل کیا، چکھ کے علم حاصل کیا، سونگھ کے علم حاصل کیا، مس کر کے علم حاصل کیا۔

گفتگو یہ تھی کہ بہت سے درخت ایسے پائے گئے کہ جن سے انسان نزدیک ہو لیس صحیح ہو تو خیر ورنہ درخت سوکھ جاتے ہیں، پودے خراب ہو جاتے ہیں، غلط لمس سے نباتات کو نقصان پہنچتا ہے لمس کے بعد، یعنی لامسہ نزدیک ہونا، لامسہ کے بعد ہے علمِ سامعہ، اس کے بعد ہے باصرہ، حواسِ ظاہری کے بعد حواسِ باطنی ہیں۔ اس طرح دونوں ایک جگہ ہو گئے۔

عزیزانِ گرامی! ہم ”علمِ معصوم“ پر گفتگو کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مبادیات کو طے کرتے ہوئے چند امور کو تمہید میں طے کر لیں تو مناسب ہو گا اس عنوان پر غور و فکر کرنے کے لیے چند چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ پہلی چیز نیتِ خالص، اس لیے کہ یہ عبادت ہے اور عبادت بغیر نیت درست نہیں، دوسری چیز یہ کہ جب نیت درست ہو تو سنجیت بھی ہو، سنجیت کے معنی یہ ہیں کہ آپ اگر کسی چیز کو جھلانا چاہیں تو کاغذ جل جائے گا، روٹی جل جائے گی، کپڑا جل جائے گا، لیکن پتھر نہیں جلے گا۔ سنجیت کپڑے میں ہے، روٹی میں ہے کاغذ میں ہے لیکن پتھر میں سنجیت نہیں ہے۔ یعنی ملتا جلتا مزاج ہو جس میں قبولیت کی کیفیت ہو، اس لفظ کو سمجھ لیجئے۔ س، ن، خ، ی، ت۔ ”سنجیت“

یعنی قبول کرنے کی صلاحیت بھی ہو، نیت اگر سو بھی جائے اور قبولیت کی صلاحیت نہ ہو تو نیت بیکار ہے۔ اور اب تیسرا امر یہ ہے کہ مطلوب و مقصود سے بے پناہ لگاؤ ہو، ربطِ قلب ہو، اور اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ اور اب چوتھا امر یہ کہ حواسِ ظاہری اور باطنی کا ہم آہنگ ہو کر قبول کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ آنکھ دیکھے اور دل نہ مانے۔ ایسا نہ ہو کہ کان سنے اور دل تسلیم نہ کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ لذتِ کلام حاصل کریں لیکن دل قبول کرنے سے روکے رکھے حواسِ ظاہری و حواسِ باطنی کا اتحاد ہو، سمع و قبول کے لیے۔ سمع و قبول بھی ایک اصطلاح ہے۔ یعنی سُن کر قبول کرنا۔ علم کا آغاز سماعت سے ہوتا ہے :

”لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ۖ وَجَعَلْ لَّكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ لَا تَعْلَمُونَ تَشْكُرُونَ“ (سُورَةُ النحل آیت ۷۸)

”(ایسے وقت میں تم دنیا میں آئے کہ علم نہیں تھا، تو تم کو (ہم نے) کان عطا کیے، آنکھیں دیں، دل عطا کیا لیکن تم شکر گزار نہیں بنتے ہو۔“

یہ قرآن کی آیت ہے۔

ذرائعِ علم میں پہلے کان، پھر آنکھ، پھر دل، اور اگر یہ حواسِ ظاہری حواسِ باطنی مل جائیں تو سمع و قبول کی دولت ملتی ہے۔ اب آخری دو امر رہ گئے۔ وہ یہ کہ جب آپ نے کچھ سُن لیا تو حفاظت کیجیے۔ یہ قوتِ حافظہ کے بڑے بڑے کارنامے ہیں۔ حافظہ عینِ عقل ہے ”عقل نام ہے تجربوں کی حفاظت کا“ ہر حال میں کچھ مل رہا ہے، تو حفاظت کیجیے۔ اور جب محفوظ کر لیا تو اب تبلیغ کیجیے۔ تبلیغ کے معنی یہ نہیں کہ جہاں تبلیغ قابلِ اعتراض بن جائے۔ تبلیغ یعنی اپنے بچوں کو سمجھائیے، اپنی بیوی کو سمجھائیے گھر والوں کو سمجھائیے، نوجوان دوست ایک دوسرے کو سمجھائیں۔ یہ

(۲۲)

تبلیغ اپنوں کے لیے ہے غیروں کے لیے نہیں ہے۔ وہ منترل دوسری ہو جاتی ہے اس سلسلے میں ہم نے کبھی کوشش ہی نہیں کی، اور نہ ہم نے تبلیغ کے اثرات دیکھے یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کون آ رہا ہے اور کون جا رہا ہے۔ اور اب یہ آخری بات کہ کسی علمی موضوع کو سن کر خصوصاً مذہبی موضوع جو آپ کے لیے عین ایمان ہو اُس کی ساتویں اور آخری منزل استقامت ہے۔ اب شک نہیں، ریب نہیں، شبہ نہیں، یعنی آپ کی یہ ساتویں منزل ہوگی اور قرآن کی یہ پہلی منزل ہوگی:

”ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ (سورۃ بقرہ آیت ۲)

”اس کتاب میں شک نہیں ہے۔“

ابتداء میں کہہ چکا کہ نظریہ علم پر بیٹ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ آج کل ان کتابوں پر بحث چھڑی ہوئی ہے۔ اس لیے میری نظر ان امور پر ہے۔ یہ کتابیں میرے زیرِ مطالعہ ہیں کہ شاید کہیں سے کچھ مل جائے۔ جتنی کتابیں بھی اس موضوع پر پڑھنے کا موقع ملا ایک بات اہم ہے کہ تمام فلسفیوں نے نظریہ علم میں یہ بحث کی ہے کہ شک کا امکان کہاں تک ہے۔ فلسفی نے، یہاں تک کہ فلسفیوں کی ایک جماعت پیدا ہو گئی جن کا نام ہی ہے ”تشکیک“ یعنی شک کرنا۔ ممکن ہے یہ ہو، ممکن ہے یہ نہ ہو، اس طرح سے وہ شک کرتے کرتے آگے بڑھتے ہیں۔ مشہور فلسفی ریناڈیکارٹ (RENA DESCARTES) نے تمام اہل تشکیک کی ہم نوائی کرتے ہوئے کہا ”میں تمہارے ہر شک میں شریک ہوں۔“ یہ کائنات نہیں ہے، نہیں ہے۔ یہ سورج نہیں ہے، نہیں ہے۔ یہ دن نہیں نکلا، نہیں ہے۔ یہ روشنی نہیں ہے، نہیں ہے۔ اب اس وقت میرے کان

لے نوٹ :- نام میں دونوں ایس (S) Silent رہیں گے چونکہ

فرنج (French) لفظ ہے۔

میں کوئی آواز نہیں آرہی ہے، نہیں آرہی ہے۔ مگر میں ایک بات کو کیسے نہ مانوں کہ ”میں ہوں“ ڈیکارٹے یہ کہتا ہے کہ آخر یہ شک کرنے والی ہستی ہے کہ نہیں؟ یعنی جس کو شک واقع ہو رہا ہے وہ بھی نہیں ہے۔ یہ فاؤنڈیشن اس سے ملا کہ ”میں تو ہوں“۔ دیکھیے کہاں سے آغاز کیا، چونکہ میں شک کرتا ہوں اس لیے میں ہوں۔ اب اس پر پھر کبھی بحث کریں گے کہ اُس نے اپنے فلسفے میں ترقی کس طرح کی۔ بہر حال ایک طویل حصہ مباحثہ کا شک کی نذر ہو گیا۔ اور اس طرح زندگی رائیگاں ہو گئی۔ قرآن مجید زندگی کو رائیگاں نہیں کرتا چاہتا، قرآن یہ کہتا ہے شروع کرو وہاں سے جہاں شک نہ ہو۔ ہماری آخری منزل تھی استقامت یعنی قدم جم گئے۔ اب لغزش نہیں، استقامت ہی استقلال بنے، یہی صبر بنے سامنے سے کوئی ڈھکیلے، مصیبت ڈالے، لیکن قدم پیچھے نہ ہٹیں، یہ صبر ہے۔ اور اس منزل استقامت پر آپ یہ دیکھیں گے جہاں آپ متعین ہو گئے وہاں ایک اور نعمت آپ کو ملی۔ میں ایک علمی عنوان کو سہل ممتنع کر رہا ہوں چاہتا ہوں ہر ایک کے ذہن میں اتر جائے۔ ارشاد ہوا:-

”إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ...“ (سورۃ حتم السجۃ آیت ۳)

”وہے شک جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور استقامت کی، ان پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔“

یہ استقامت کی منزل ہے۔ کیا بات ہو گئی، کہا اللہ! اب ڈر نہیں ہے اب کسی سے گھبراتے نہیں ہیں، اب کوئی دشمنی کرے تو ڈرتے نہیں ہیں۔ تو کہا گیا ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور اگر ملائکہ نازل ہوتے ہیں تو ان کا کیا کام ہے۔ کیوں بھیجتا ہے ملک کو؟ ہم نے کہا ”اللہ!“ اور اللہ نے کہا ہم نے ملک

بیجھے۔ کیوں؟ اس لیے کہ تو نے استقامت پیدا کی اور ہم نے اپنی قضا و قدر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اب ملائکہ تائید کریں، ملائکہ تائید کریں کہ اب کوئی طاقت ان کو سچے ڈھکیل نہیں سکتی۔ اگر استقامت ہے ایمان میں تو ملائکہ ساتھ ہیں، اب ملائکہ تو غیب میں ہیں، کس کے پاس ایمان ہے اور کس کے پاس ایمان نہیں یہ میں کیونکر کہوں۔! مگر قرآن درمیان میں ہے۔ جہاں اختلاف ہوگا قرآن سے پوچھ لیں گے، یہ طے ہوا کہ قرآن میں ملائکہ کا ذکر ہے نا، اتنی فصیح ہیں یہ آیتیں جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور استقامت کی، ان پر ملائکہ نازل ہوئے ہیں کبھی کبھی دل چاہتا ہے ترجمہ نہ کیا جائے بلکہ صرف عربی پڑھی جائے۔ ذرا غور تو کیجئے بندے پر ملائکہ نازل ہوتے ہیں، امام پر نہیں، نبی پر نہیں، اللہ کی محبتوں پر نہیں، فقط اُس پر جو یہ کہے اللہ ہمارا رب ہے اور استقامت پیدا کرے، گھبراؤ نہیں اُس نے ہم کو پکارا ہے، اُس نے ہم کو آواز دی ہے، ہم تنہا نہیں چھوڑیں گے، ہم مدد کریں گے۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں ملائکہ ساتھ ہیں، جو یہ طے کر کے چلے اللہ ہمارا رب ہے، رسول ہمارا واحد سہارا ہے، قرآن ہمارا سرمایہ ہے، دین کی حفاظت ہماری زندگی کا واحد مقصد ہے اور یہ کفار کا لشکر ہے اور لشکر کفار سے کوئی مسلسل پکار رہا ہے، کوئی ہے محمدؐ کے لشکر میں جو میرے مقابل آئے۔ ایسے موقع پر آپ اسی قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہیں جو یہ کہنے کہ اللہ ہمارا رب ہے اور استقامت پیدا کرے اور جو یہ طے کر کے چلے کہ اللہ میرا رب ہے، محمدؐ نبی ہے، قرآن کتاب ہے، محشر یقین ہے، اسلام کی حفاظت واحد مقصد ہے، یہ ذمے داری میری ہے، میں نے وعدہ کیا ہے کہ دین کو بچاؤں گا اور لشکر کفار سے آواز آرہی ہے، مقابل پر کون آئے گا۔ سب یہ کہہ کر سچے ہٹ گئے، یہ وہ عمرو ابن عبدودؓ ہے جس نے شتر کے ایک بچے کو پیسہ بنا کر

ڈاکوؤں پر حملہ کر دیا تھا۔ اور ایسے موقع پر ایک کا یہ کہنا: ”یا رسول اللہ“ اَنَالَهُ“
 یہ استقامت کی منزل ہے۔“ میں اس کے لیے ہوں۔“ اب کیا پریشانی ہے
 ملائکہ کی صفیں بھی ہوں گی۔ اس کے علاوہ کسی اور جنگ میں استقامت کو دیکھ
 یہ کہا ہوگا کہ ”کل علم دوں گا۔“ استقامت دیکھ کر رسولؐ یہ کہیں۔ یہ اتنا ستقیم ہے
 اس کو علم دوں گا۔ یاد رکھیے۔۔۔۔۔

”جب رسولؐ یہ کہہ دیں کہ میں علیؑ کو علم دوں گا، اب قیامت
 تک کوئی علیؑ سے علم کو چھین نہیں سکتا۔“

بس اب وہ علمبردار ہے، ملائکہ کی صفیں ساتھ ہیں، گھبرانے کی بات نہیں
 میں نے غلو نہیں کیا، اور نہ لکھنے والوں نے غلو کیا۔۔۔۔۔ تلوار گراں
 جاری تھی، ملائکہ کی صفیں کھڑی تھیں، ملکِ مُقَرَّب کو حکم پہنچا تھا کہ
 بڑھ کر زمین کو سنبھال لو، اُس نے پر رکھ دیا تو اس میں غلو کیا ہے۔؟
 وہ علم آج بھی ہے۔۔۔۔۔ رسولؐ نے علم دیا ہے۔۔۔۔۔

کوئی علم کو چھین نہیں سکتا۔ زبانی بھی نہیں کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ ہمارا علم
 ہے۔ یہ اُردو ادب کا معجزہ ہے کہ لفظ علم آپ کے لیے وقف ہو گیا۔ ”علم
 آرہے ہیں“ تو دل نے گواہی دی کون لا رہے ہیں۔ یہ اصطلاحات آپ ہی
 سے منسوب ہیں۔ علم باہر نکلا، قافلہ سوار ہو چکا، بیبیاں محلوں میں تشریف فرما
 ہو چکیں، ایک بی بی کو ایک ایک بی بی کے وارث نے کبھی زانو کو اپنے خم کر کے
 کبھی بازو کو تھام کے کبھی پردہ محل کو اٹھا کے سوار کیا۔ جب سواریاں سب
 درست ہو چکیں، حسینؑ ابن علیؑ نے رکاب میں پائے مبارک رکھا، پشتِ زین
 پر بلند ہوتے ہوتے نانا کے رونے کو آخری سلام کیا، اور آہستہ سے گھوڑے
 کو اشارہ کیا، وہ چلا تو مدینہ چھوٹا، حسینؑ مدینے سے چلے، انصار چلے، بنی ہاشم

چلے، اعڑہ چلے، ناقوں پر پانی کی مشکیں بھری ہوئی، اسباب سے لدے ہوئے
 بھی کچھ ناقے تھے، پھر شہزادوں کا کینزوں کے حلقے میں آنا اور سوار ہونا۔
 ایک ایک محل کی حفاظت عباسؑ و قاسمؑ کے سپرد یہ پورا قافلہ اس شان کے
 ساتھ چلا، حسین شاہ مدینہ تھے، حسین مدینے میں فقیر نہیں کرتے تھے
 یہ بادشاہ کا گھر جارہا تھا۔ شہنشاہ کا گھر جارہا تھا۔ یہ شتاون برس کا آباد گھر
 منتقل ہو رہا تھا۔ حسینؑ چلے۔۔۔۔۔ سب سے آخر میں پورے قافلے
 کا معائنہ کرتے ہوئے، ایک وہ علم دار جس کے پاس علم تھا اُس نے رکاب
 میں پاؤں رکھا، پشت زین پر بلند ہونا چاہتا تھا کہ بیت الشرف کا پردہ ہٹا
 کسی کینز نے پکار کر کہا، شہزادے ماں بلاری ہے۔ شہزادے ادھر آؤ۔
 عباسؑ گھوڑے سے اتر پڑے، ماں کی خدمت میں آئے، ماں کے قدموں پر
 سر کو رکھ دیا۔ تو ماں نے سر کو سینے سے لگا کر کہا۔ میرے لال!
 تمہارے ساتھ اور بھی میرے تین جوان بیٹے جارہے ہیں۔ عباسؑ کی ماں
 کی بڑی طاقت ہے چار جوان بیٹے۔ جاؤ عباسؑ جاؤ، مگر زہرا کی
 کمائی سے ہشیار۔!!
 عباسؑ۔! میں نے زندگی بھر زہرا کی کینزی کی ہے۔

مجلس دوم

- ۱۔ سورۃ نساء کی آیات کی تفسیر۔
- ۲۔ قرآن مجید اور عالم کتاب کا مثل ممکن نہیں۔
- ۳۔ علم کی تقسیم اور دولت کی تقسیم میں فرق۔
- ۴۔ حضرت علی علیہ السلام کا خط مالک اشتر کے نام۔
- ۵۔ غالب اور اقبال کے کلام میں ابوذّر اور سلمانؓ کا تذکرہ
- ۶۔ علم معصوم کو کوئی چھین نہیں سکتا۔
- ۷۔ ہر صاحب علم پر دوسرا عالم ہے۔
- ۸۔ ختمی مرتبتؐ نے کس سے تعلیم حاصل کی؟
- ۹۔ حدیث منیّت۔
- ۱۰۔ مکہ سے امام حسین علیہ السلام کا سفر۔

عشرۃ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

بمقام نشتر پارک

دوسری محرم / ۱۱ راج

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مجلس دوم

علم معصوم کے عنوان پر آپ دوسری تقریر سماعت فرما رہے ہیں جن آیات کی تلاوت کی گئی، یہ سورۃ نساء کی آیات ہیں۔ آیت کا نشان ۱۶۳، اس ابتدائی آیت کا ترجمہ یہ ہے:

ارشاد ہوتا ہے کہ: ”ہم نے تیری طرف وحی کی“۔ یہ پہلا ہی جملہ ہمارے وہم و قیاس و گمان و خیال سے باہر ہے۔ یہ بندوں کی طرف خالق کی وحی کیسے ہوتی ہے۔ اب اسی کو سمجھنا دشوار ہے۔ اس لیے کہ نہ ہم کبھی وحی آتی نہ معاشرے میں کسی پر کبھی وحی آتی، نہ کبھی کسی موقع پر ہم نے وحی کو آتے ہوئے دیکھا ہے اب کیا تعریف وحی کی کریں کہ کس طرح سے وحی آتی ہے، بجز اس کے چارہ نہیں کہ ہم آیات کا ترجمہ کریں اور اگر ایمان لانا ہے تو ایمان لائیں ورنہ وحی کا انکار کر دے تو وہ ہر قید سے آزاد ہو جائے گا۔

ارشاد ہوا:-

”إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى ۚ وَأَتَيْنَاكَ بِذُكْرٍ ذَكَرْنَا“

(سورۃ نساء آیت ۱۶۳)

ترجمہ: (ہم نے تیری طرف وحی کی جس طرح نوح کی طرف ہم نے وحی کی تھی، اس (نوح) کے بعد آنے والے انبیاء پر وحی کی تھی جیسے ہم نے وحی کی ابراہیم کی طرف، اسماعیل کی طرف، اسحاق کی طرف، یعقوب کی طرف، یعقوب کے بیٹوں کی طرف، جیسے ہم نے وحی کی تھی عیسیٰ کی طرف، ایوب کی طرف، یونس کی طرف، ہارون کی طرف، سلیمان کی طرف ہم نے وحی کی تھی، ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔۔۔۔۔ یہ چند انبیاء کے نام تھے جو ہم نے ایسے بہت سے انبیاء کے نام ہم نے نہیں لیے۔

”وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا“
(سورۃ النساء آیت ۱۶۴)

ترجمہ: (اور ان رسولوں (پر) جن کا قبل ازیں ہم نے تجھ سے ذکر نہیں کیا اور ان رسولوں (کی طرف بھی وحی کی) جن کا قصہ (نام) ہم نے تجھ سے بیان نہیں کیا۔ اور ہم نے) اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا، جو حق ہے کلام کرنے کا۔)

اور ہم نے مقام کلام پر فائز کیا موسیٰ کو، یہ وہ رسول تھے جو ڈرانے والے تھے۔ بشارت دینے والے تھے، بشیر تھے، نذیر تھے، ہم نے وحی کی اور رسولوں کو بھیجا فقط اس لیے کہ انسانوں میں کسی کو ہمارے اوپر حجت قائم کرنے کا موقع نہ ملے، وہ نہ کہیں کہاں بے تیری ہدایت۔؟

”رُسُلًا مَّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا“ (سورۃ النساء آیت ۱۶۵)

ترجمہ: ”ہم نے (خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے) تاکہ لوگوں کے لیے رسولوں (کی بعثت) کے بعد اللہ پر کوئی حجت نہ قائم کرے (کہ کہاں ہے تیری حجت) بیشک اللہ عزیز ہے (اور) حکیم ہے۔“

اور اب آخری آیت سلسلے کی یہ ہے:

”لَٰكِنَ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۚ وَكَفٰی بِاللّٰهِ شَهِيدًا ۝۱۶۶“ (سورۃ النساء آیت ۱۶۶)

اللہ شہادت دے رہا ہے۔ یہ آپ کی اور میری شہادت نہیں، اللہ شہادت دے رہا ہے،

ترجمہ آیت: ”اور جو کچھ اللہ نے تجھ پر نازل کیا، اپنے علم سے نازل کیا، (اپنے خزانہ علم سے ہم نے تجھ کو سرفراز کیا، ہم نے اپنے علم سے وحی کی ہے۔) اللہ شہادت دیتا ہے اور ملائکہ شہادت دیتے ہیں، اور شہادت کے لیے خدا کافی ہے۔“

کسی حد تک سرنامہ کلام کی آیات طویل ہو گئی ہیں لیکن اس میں معنی و مفہام کے خزانے پنہاں ہیں۔ میں ”علم معصوم“ پر گفتگو کر رہا ہوں۔ پتہ چلا کہ نوح کو بھی علم ملا، ابراہیم کو علم ملا، اسماعیل و اسحاق و یعقوب و اسباط کو علم ملا، عیسیٰ و الیوب و ہارون و سلیمان و داؤد کو علم ملا۔ موسیٰ کو علم ملا، اور اے حبیب تجھ پر جو کچھ نازل کیا ہے وہ اپنے علم سے نازل کیا ہے۔ تیرے پاس جو وحی آرہی ہے وہ علم الہی ہے۔ اب اگر کوئی وحی کی تعریف کرنا چاہے تو علم الہی کی تعریف کرے۔ خطاب مسلمانوں سے ہے کسی اور سے نہیں ہے

کوئی وحی کو سمجھنا چاہے تو علم الہی کو سمجھے، اور اگر کوئی وحی کے حدود معین کرے ایک سلسلہ ہے نزول وحی کا جس سے انبیاء مستفیض ہوتے رہے۔ ارشاد یہ ہے کہ ہم نے اسی طرح سے تیری طرف وحی کی ہے، جو تعجب کا مقام نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ وحی سے آشنا نہیں ہیں تو کوئی فکر نہیں ہے۔ شہادت ہماری ہے، ہم گواہی دیتے ہیں۔ اللہ کی گواہی، جو نظر نہ آئے وہ شہادت کیا دے یعنی خدا شاہد ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ذات واجب یہ بھی انتظام کرے اپنی شہادت کے لیے کوئی ایسی دستاویز موجود ہو جس پر نظر پڑنے کے بعد کسی کی مجال نہ ہو کہ یہ کہہ سکے یہ کسی بندے کا لکھا ہوا ہے۔ اس طرح سے ذات واجب کی شہادت قرآن ہے۔ ذات واجب نے یہ طے کیا کہ اس کی شہادت کے دو حصے ہوں۔ اگر نزول کا کوئی انکار کر دے تو اے رسول اب دو گواہ چاہئیں۔ اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں ہماری نمائندگی دو گواہ کریں۔ ہم نظروں سے پوشیدہ ہیں:-

”يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ بَلَّغْتُ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ“ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ؕ

(سورہ رعد آیت ۴۳)

”کافریہ کہہ رہے تو مرسل نہیں ہے، کہہ دنا، اللہ گواہی کے لیے کافی ہے اور وہ جس کے پاس علم کتاب ہے۔“

ذات واجب قرآن کو نازل فرما کے یہ اعلان فرما رہا ہے کہ اس قرآن کو دیکھنے کے بعد تم اندازہ لگاؤ کہ ہماری شہادت کیا ہے، ہماری گواہی کیا ہے اس سے بڑھ کے اور کیا گواہی ہوگی ہم نے قرآن کو گواہ بنایا اور کہا ہو سکے تو ایسی کتاب لاؤ۔

” قُلْ لِّسِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا
بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۸۸)

(ترجمہ) کہہ دیجیے کہ اگرچہ تمام انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں
کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو اس کی مثل نہ لاسکیں گے۔“

” انسان اور جن مل کر اگر کوئی ایسی کتاب لانا چاہیں تو نہیں لاسکتے۔“
کتاب کی منزل یہ ہے کہ کتاب تہدید کر رہی ہے کہ میری طرح کی کتاب نہ آسکے گی
اور کتاب کے ساتھ تم ایسا عالم کتاب بھی نہیں لاسکتے۔ اگر تمہارے پاس ایسا
عالم کتاب ہے تو لاؤ تاکہ ہم بھی دیکھیں، ہمارے دونوں معجزوں کا جواب نہیں
ہو سکتا۔ نہ عالم کتاب کی کوئی نظیر ہے نہ کتاب کی نظیر ہے۔

کلی گفتگو تھی کہ کمالِ علم پر جو معصوم کا علم ہے، اُس ذاتِ گرامی کے
حوالے علم کر رہا ہوں جس سے یہ علم وابستہ رہے گا۔ تو یہ علم رسول ہے۔ یہ
علم معصوم ہے اب کوئی اس سے علم لے نہ سکے گا۔ یہ علم کوئی چھین نہیں
سکتا، میں جو کہہ رہا ہوں اگر کسی کے پاس کوئی جواب ہے تو میں یہ سمجھوں گا تقریر
میں تشنگی ہے۔ کیا کسی موقع پر کسی نے علیؑ سے علم چھین لیا، نہیں علم اُسی
کے گھر کا ہو گیا۔ علم معصوم یہ ہے جس کو جو عطا کرے، ربط کو دیکھے موقع
کو دیکھے، مصلحتوں کو دیکھے، اپنی عطا کو ربط کے لئے دیکھ کر عطا کرے۔
اور اس طرح عطا کرے کہ قیامت تک کوئی طاقت اس عطا کو واپس نہ لے
سکے۔ شاید آپ کی نظر زمین کے کچھ حصوں پر جائے، زمین کے کچھ حصے
دیے تھے۔ لینے والوں نے بظاہر یہ بتلانے کی کوشش کی، ہم کو اس کی
ضرورت ہے یہ چاہتے ہیں ہم لیکن جس کو دیا تھا وہ اُسی کے نام سے آج تک
منسوب ہے۔ اور قیامت تک منسوب رہے گا۔ کوئی اس کا تذکرہ ہی

نہیں کر سکتا ہے۔ وہ مالِ دنیا دے یا مالِ آخرت، وہ دولتِ زندگی دے یا دولتِ ایمان، وہ جس کو علمِ معصوم عطا کر دے اُسی کے لیے ہے۔

ہم علم کے موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں۔ میں نے وعدہ کیا تھا کہ آپ کو فلسفے کی گفتگو میں نہیں الجھاؤں گا۔ گفتگو سہل و مُمتنع ہوگی۔ علم سے انسان کو پہچانا جاتا ہے۔ علمِ معرفتِ شخصیت ہے۔ یعنی علم سے انسان کا تعارف ہوتا ہے کہ انسان کس درجے کا انسان ہے۔ علم انسان کی تکمیل کرنے والا ہوتا ہے۔ علم وہ ہے جو حق و باطل کی تمیز کر دے۔ علم ہی کا کام ہے کہ ایک ایسا خزانہ بن کر اپنے عالم کے پاس رہے جہاں عالم کو علم کی حفاظت کی ضرورت نہ پڑے، بلکہ علم عالم کی حفاظت کرتا ہے۔ میں اس مادی دنیا کی چیزانیوں کو دیکھ رہا ہوں، دولتِ بہاں وافر ہے جھین لو، دولتِ بہاں زیادہ ہے رہنے نہ دو، درست ہیں یہ باتیں مجھے اعتراض نہیں، لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہاں علم زیادہ ہے بانٹ لو، یہاں علم بہتات میں ہے اس کو سب پر تقسیم کر دو، قوم کو جاہل رکھنے سے کیا فائدہ علم کو تقسیم کیوں نہیں کرتے، کوئی کہہ سکتا ہے؟ گفتگو ہمیشہ مادیت پر رک جاتی ہے۔ کوئی معنویت تک آنا ہی نہیں چاہتا۔ کوئی حقیقت تک پہنچنا ہی نہیں چاہتا۔ حلالِ مشکلات مولائے کائنات نے مالکِ اِشتر کو یہ خط لکھا تھا: **تھا جب مالکِ اِشتر کو گورز بنایا گیا تھا۔** تحریر فرماتے ہیں: **اے مالک!** یاد رکھنا اُن لوگوں کو نہ بھولنا جو شہر میں بھوکے ہوں، پریشان ہوں، خستہ حال ہوں۔ میں نے اللہ کے رسول کو یہ کہتے ہوئے سنا، وہ قوم کبھی طاقتور نہیں ہو سکتی جس میں طاقت ور سے کمزور کا حق چھین کر نہ دایا جائے۔“

یہ علی کا وہ مشہور خط ہے جو آپ نے مالکِ اِشتر کو لکھا تھا۔ یہ خط آج مہر کے

خزانے میں محفوظ ہے۔ امیر المومنینؑ نے حدیثِ رسولؐ سے استدلال کیا ہے ”دیکھو! وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، جس کو اُس کا حق چھین کر نہ دلا دیا جائے۔“ یہ وہ مقام ہے جہاں تقسیمِ ذر پر گفتگو ہوتی ہے، جہاں تقسیمِ مال پر گفتگو ہوتی ہے۔ یہ علمِ رسولؐ ہے، یہ علمِ معصومؑ ہے۔ میں کسی اور کے آستانے پر جا کر کیوں مانگوں، کسی کے در پر کیوں بھیک مانگوں کہ کوئی ہمارے لئے تقسیمِ مال کا انتظام کر دے۔

امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں: ”مگر اے مالکِ اشتر! یہ تقسیمِ ذر کا مسئلہ گورنر کے لیے بہت مشکل ہے، کہنا آسان ہے، عمل مشکل ہے اور جہاں خطبہ کو آپؐ نے شروع کیا وہاں جملہ یہ ہے: مالک! اب تیری طرف لوگ اسی طرح دیکھ رہے ہیں جیسے تو گورنر کی کرسی پر آنے سے پہلے اُلگی طرف دیکھ رہا تھا جس طرح تو اُن پر اعتراض کر رہا تھا اب تجھ پر اعتراض کرنے والے موجود ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: ”یہ والیوں پر بڑا مشکل امر ہے کہ کس طرح سے تقسیمِ ذر ہو۔ مگر مالک! اللہ نے آسان کر دیا ہے پروان چڑھنے والے قوموں کے لیے، مالک! مسکینوں کا خیال رکھنا، ناداروں کا خیال رکھنا اور اس طرح سے خیال رکھنا کہ اُن کے لیے قرار دے ایک حصہ بیت المال سے، مختلف غرائزوں سے وہاں کے مسکینوں کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور مقرر کر دیا جائے۔“ متعدد قومیں غریبوں کو الاؤنس دیتی ہیں۔ امیر المومنینؑ نے ۳۶ سالہ عمر میں یہ خط لکھ دیا تھا کہ اس کا خیال رہے۔ اب دنیا کہاں جانا چاہتی ہے، آخر کس آستانے پر سجدہ کرنا چاہتی ہے۔ آؤ دیکھو۔ !

تے
علی علیہ السلام اپنے بیٹوں کو آخری سالوں میں ارشاد فرما ہیں:

”دیکھو! مسکینوں اور مزدوروں کا خیال رکھنا، اُن کو اپنی معیشت میں

شریک بناؤ۔“ ان کو بھی اپنے نفع میں شریک کر لو، تاکہ کل کے دن یہ فریاد نہ کریں، کل کے دن یہ آواز بلند نہ کریں۔“ اب ایسوں کے علم کی موجودگی میں کسی اور آواز کو کیسے سنوں، کسی اور راستے پر کیسے چلوں، جہاں مال و دولت دنیا کا ذکر ہے وہاں معصوم خود یہ چاہتا ہے کہ تقسیم ہو اور مزاج معصوم کو سمجھنے والا ابوذرؓ تھا۔

ابوذرؓ شام سے نکالے گئے۔ ابوذرؓ مدینے سے نکالے گئے ابوذرؓ کی زندگی قابلِ فکر ہے آج کے لیے، ابوذرؓ آخر کیا چاہتے تھے؟ ابوذرؓ کس بات کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ایسے موقع پر ابوذرؓ کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاکہ مولائے ابوذرؓ سمجھ میں آئیں۔ بارگاہِ معصومین میں اپنے جذبہٴ صادق کو پیش کرنے والا جب صحیح راستوں کی تلاش کرتا ہے تو ان راستوں کی تلاش میں کبھی سلمانؓ اور ابوذرؓ کو نظر انداز نہیں کر سکتا بلکہ انھیں راسخوں سے جاتا ہے تاکہ مولا کو پہچانا جاسکے۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے شاعروں نے ابوذرؓ اور سلمانؓ کی بڑی تعریف کی ہے اور یہ بھی ایک پہچان ہے کسی شاعر کے دیوان میں تلاش کرو اور دیکھو اُس نے ابوذرؓ کا بھی تذکرہ کیا ہے یا نہیں، سلمانؓ کا بھی ذکر ہے یا نہیں؟

از غلامانِ علیؑ ساخت و لائے تو مرا
تہنیت خواہ بر ابوذرؓ و سلمانؓ رستم

”تیری محبت نے مجھے علیؑ کا غلام بنا دیا، جہاں تیری محبت میرے دل میں آئی میں نے علیؑ کی غلامی قبول کی تو میرا دل چاہا کہ جا کر مبارک بادی مانگوں مجھے مبارک باد دو کہ میں علیؑ کا غلام ہوں۔“ تو میں کس سے مبارکبادی مانگوں

میں تو چاہتا ہوں سلمان اور ابوذر مجھے مبارک بادی دیں کہ میں علی کا غلام ہوں۔ وہ کہیں آؤ غالب ہمارے دائرے میں آؤ۔“

جس نے ارادہ کیا اور خلوص نیت سے عارفِ معصوم ہوا وہ معصوم کے خدمت گزاروں کو پہچانتا ہے وہ معصوم کے حواریوں کو پہچانتا ہے اور یہی عزت اقبال کو بھی حاصل ہے۔ میں نے کسی تقریر میں کہا تھا، کوشش یہ ہے کہ اقبال کی تلخیص کی جائے، اب کلامِ اقبال کا خلاصہ پیش کیا جائے، مختلف امور کو چھوڑ دیا جائے۔

دیکھئے دنیا کہاں تک کامیاب ہوتی ہے۔ مصر میں کتابوں کے الفاظ بدل دیے گئے ”صواعقِ محرقہ“ جیسی کتاب کی ترتیب بدل دی گئی۔ ظاہر ہے چند اشعار کے مجموعے کو رفتہ رفتہ بدل دینا کوئی تعجب نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ یاد رکھیں تاکہ مجموعے سے نکال دیا جائے تو حافظے میں تو رہے۔

ایسی منزل پر اقبال جب اپنی عقیدت کو بارگاہِ علوی میں پیش کرتے ہیں تو وہاں ان کو بھی یہی کہنا پڑتا ہے

ز سیمائے کہ سودم بر درِ غیر
سجودِ بوذر و سلمان نیا یہ

”وہ پیشانی جو میں نے غیر کی چوکھٹ پر رکھ دی، ایسی پیشانی سے سے بوذر و سلمان کے سجدے نہیں نکل سکتے۔“

دنیا کی نظر مادی چیزوں پر ہے کہ یہ تو تقسیم ہونے ہی کے لئے ہے مگر جہاں تقسیم ناممکن تھی وہاں یہ کہنا پڑتا ہے ”اگر یا علی تم نہ ہوتے تو ہلاک ہو جاتا، میں مرجاتا۔“

بہت آسان تھا کسی دعویٰ کرنے والے کے لیے کہ یہ کہتا کہ علم ہمارے پاس بھی ہے۔ آسان تھا کوئی کہتا ہم اب اس علم کو چھین لیں گے نہ یہ کہا جاسکا کہ علم ہمارے پاس بھی ہے اور نہ چھیننے کی قوت آسکی۔ یہ علم معصوم ہے، دین و دنیا کی فضیلت کے اعتبار سے کوئی اُس کی فضیلت کو چھین نہیں سکتا۔ یہ مقام علم ہے۔ یہ جہانی قوت کا تذکرہ نہیں ہے جس کی وجہ سے خدا و رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں، یہ مقام علم ہے جسکی وجہ سے وہ خدا و رسول کو دوست رکھتا ہے۔ مقام علم اتنا بلند ہے کہ خداوند اعلیٰ خود ارشاد فرماتا ہے کہ علم اور ایمان کے مرتبے بلند ہیں۔ بچوں کو دینیات پڑھاتے ہوئے بتایا جاتا ہے کہ علم چوری نہیں جاتا، علم رائیگاں نہیں جاتا، علم کو کوئی چھین نہیں سکتا، علم خرچ کرنے سے اور بڑھتا جاتا ہے، علم کی حفاظت نہیں کی جاتی بلکہ علم عالم کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ سب آپ نے سنا ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اُس علم کے سائے میں یہ دیکھا کہ ایک گھرانہ ہے جس کے لیے یہ علم مختص ہو گیا۔

یاد رکھیے علم معصوم کی کوئی تو علامت ہو، نشانی ہو، علم معصوم کی کوئی پہچان ہو۔ ظاہر ہے وہ خود یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں دنیا کا سب سے بڑا عالم ہوں، ہر عالم پر ایک اور عالم ہے پھر اُس پر ایک اور عالم ہے ہر صاحب علم پر ایک عالم ہے :

”وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ“ (سورہ یوسف آیت ۲)

”اور (دنیا میں) ہر صاحب علم پر ایک اور عالم ہے“

مگر آپ ہمیشہ یاد رکھیں علم معصوم کی علامت اور نشانی ایک ہے وہ علامت ہے ”سَلَوٰی“ آپ سمجھ گئے، آپ کا دماغ کتنا شاداب ہے

آپ اسرار کے حامل ہیں، اجنبی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ کوئی عام بات نہیں ہے کسی جمع میں کہنا ”مجھ سے پوچھو قیامت تک کی باتیں پوچھو“ یہ ہے علم معصوم کی علامت، اور اگر غیر معصوم نے ”سَلُوْنی“ کہا تو اُس کی اتنی بے حرمتی ہوتی، اتنی بے حرمتی ہوتی کہ اُسے آخر میں مجھے میں یہ کہنا پڑا، ارے عورتیں مجھ سے زیادہ پڑھی لکھی ہیں۔

یہ ”سَلُوْنی“ کا دعویٰ معصوم کو زیب دیتا ہے غیر معصوم کو زیب نہیں دیتا۔ علم معصوم یعنی اُس خزانے سے آئے، اُس مصدر سے آئے، اُس منبع سے آئے کہ خیال آپ ہزار تحقیق و کاوش کے یہ پتہ نہ چلا سکیں کہ اس کو پڑھایا کس نے، یہاں اصل گفتگو ”علم معصوم“ کے موضوع پر شروع ہو رہی ہے معصوم کو کس نے پڑھایا — ؟

”فَقَدْ لِمَسْتُ فَيْكُمُ عُمَرَا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ“

(سُورَةُ يُونُسَ آيَت ۱۶)

”میں تو تم میں اس سے پہلے مدتوں رہ چکا ہوں تم کیوں نہیں سمجھتے۔“ آخر بچپن اور جوانی میری یہیں تمھارے سامنے گزری ہے۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لو گے، میرا بچپن اسی مکے میں ہے، میں باہر سے نہیں آیا ہوں، جوانی بھی اسی جگہ گزری، ارے چالیس برس اسی مکے میں گزار چکا ہوں۔ نبوت سے پہلے کا سارا زمانہ تمھارے سامنے گذرا مگر کوئی بتا نہ سکا کہ کس نے پڑھایا۔ تم نے دیکھا کسی کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے ہوئے اور اگر نہیں دیکھا تو اب

تو مانو، اور ہاں میرے علم کو ہٹا کر تم کبھی کبھی یہ کہتے ہو۔ !

”بَلْ عَجِبُوْا اِنْ جَاءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ (سُورَةُ ق آيَت ۲)“

”بلکہ تم کو تعجب یہ ہے کہ ڈرانے والا تمھیں میں سے ایک آیا۔“

تم مجھے اپنے میں سے سمجھ رہے ہو؟ تم کو دھوکہ یہ ہے کہ تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں تم میں سے ہوں۔؟ بڑی نزاکت ہے اس جملے میں۔ تین مقامات ہیں جہاں ارشاد ہوا:

”وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ مَنْزِلٌ وَقَالَ الْكَافِرُونَ
هَذَا سِحْرٌ كَذَّابٌ“ (سورۃ ص آیت ۴)

”اور اُن لوگوں نے اس بات سے تعجب کیا کہ اُنہی میں کا عذاب خدا سے ایک ڈرانے والا (پیغمبر) اُن کے پاس آیا اور کافر یہ کہنے لگے کہ یہ تو بڑا جادوگر (اور) جھوٹا ہے۔“

تم کہہ رہے ہو میں نے نہیں کہا کہ میں تم میں سے ہوں، اور اب اگر رسول یہ کہہ دیں ”تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں“ صاحبِ سلوٰی کو بڑی بڑی فضیلتیں ملی ہیں لیکن یہ ایک فضیلت ایسی ہے کہ دو چھوٹے چھوٹے لفظ کسی کو نہیں مل سکے ”أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ“ ”تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔“

یہ منزلِ سلوٰی ہے، یہ علمِ معصوم ہے۔ کل گفتگو یہیں سے شروع ہوگی، ہزار حدیثوں کو لکھ ڈالیں جمع کیجئے اور کسی کے لیے یہ چھوٹا سا ٹکڑا مل جائے۔ اسی لیے میں کبھی کبھی بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کرتا ہوں کہ دیکھ کر انتخاب کیا لاکھوں حدیثوں میں حدیثِ منیّت کو چُن لیا انھوں نے اور بخاری شریف میں شامل کر لیا۔ علمِ معصوم ہے یہ جس کو جس عہدے کے قابل جانا جس لفظ کو جس کے قابل سمجھا اُس کو وہ لفظ دیا۔ معصوم صرف کو بہتر جانتا ہے، معصوم منظرِ علمِ الہی ہے۔ آج کل گفتگو ختم ہوتی۔

حسین نانا کے روضے کے قریب کھڑے ہیں۔ سراقہ کو ضرب پر

رکھا ہے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔
 ”پروردگار! یہ تیرے نبی محمدؐ کی قبر ہے میں تیرے نبیؐ کی مٹی کا بیٹا ہوں
 دیکھیے، علمِ معصوم۔ فرماتے ہیں۔ پروردگار! اب وہ وقت آگیا جس کا تجھ کو
 علم ہے۔“ یہ علمِ معصوم ہے۔ فرماتے ہیں۔ ”پروردگار! مجھے پسند کر لے اُس کام
 کے لیے جس کام سے تو راضی ہو۔“ علمِ الہی پر نظر ہے حسینؑ کی، بہ وقتِ سفر
 حسینؑ کی نظر علمِ الہی پر ہے۔

تیسری شعبان کو حسینؑ مکہ معظمہ پہنچے۔ ۸ ذی الحجہ تک مکے میں قیام
 کیا۔ آٹھویں ذی الحجہ کی صبح تھی کہ ایک مرتبہ قافلہ تیار ہوا، لوگوں نے کہا:
 فرزندِ رسولؐ ہم کو چھوڑ کر جاتیں گے؟ ارشاد فرمایا: میری قربانیاں میرے ساتھ
 ہیں، مجھے کہیں اور قربانیاں دینا ہیں۔ عبداللہ ابن عباسؓ نے آکر رکاب کو تھاما
 کہا، مولا! نہ جائیے۔ زمانہ دشمن ہے۔ گرمی کا موسم ہے بچوں کا ساتھ ہے۔
 بیبیاں ساتھ ہیں۔ فرمایا: ابن عباسؓ! میں نے نانا کو کل رات خواب میں
 دیکھا ہے، نانا کہتے تھے: حسینؑ جلدی کرو، اللہ یہ چاہتا ہے کہ اپنی راہ میں
 تجھے ذبح کیا ہوا دیکھے۔

ابن عباسؓ نے قدموں کو لبوسہ دیکر کہا: پھر آپ اکیلے جائیے نا۔!
 یہ فاطمہؑ کی بیٹیوں کو ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں؟
 ابن عباسؓ یہ کہہ رہے تھے کہ عماری پر کسی بی بی کا ہاتھ پردے کے
 قریب آیا اور آواز آئی، ابن عباسؓ! بہن کو بھائی سے جدا کرنا چاہتے ہو؟



مجلس سوم

- ۱۔ علم عینِ رحمت ہے اور رحمت عینِ علم ہے۔
- ۲۔ علم طول میں ہوتا ہے۔
- ۳۔ معصوم کا علم طول میں نہیں بلکہ حضور ہے۔
- ۴۔ علم، شجاعت اور عبادت میں سب معصومین برابر ہیں۔
- ۵۔ صیقین میں امام حسین علیہ السلام کی شرکت۔
- ۶۔ بخاری اور مسلم میں حضرت علی علیہ السلام کے فضائل۔
- ۷۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کا علم
- ۸۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے نعتیہ اشعار۔
- ۹۔ حضرت میثم تمار کا علم اور شہادت
- ۱۰۔ پسرانِ حضرت مسلم ابن عقیل علیہما السلام کی شہادت۔

عشرہ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء تیسری محرم ۱۲ مارچ
بمقام نشر پارک

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مجلس سوم

”علم معصوم“ کے عنوان پر یہ تیسری تقریر آپ کی سماعت کے لیے
 ہدیہ ہے۔ سورۃ نسا کی طویل آیت کو آپ مسلسل سماعت فرما رہے ہیں۔ تلاوت کا
 تو ثواب ہے ہی لیکن اس کے معنی و مفاسد کے حصول کے لیے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ
 بہت سے علوم کی سیر ہو، بہت سے علوم پر انسان حاوی ہو جائے، تاکہ وحی ربانی کی
 تفسیر کر سکے۔ گزشتہ تقریروں میں یہ ذکر تھا کہ مسلمانوں کا یہ ایمان واثق ہے کہ قرآن
 میں امکانِ خطا نہیں۔ اس لیے کہ وہ وحی ہے اور وحی محفوظ ہے اس پر تہذیبِ معجزہ
 ہے کسی فرد، جماعت، معاشرہ، سارے انسان میل کے، کسی کی مجال نہیں ہے کہ
 کوئی اس کتاب کی نظیر لاسکے، کتاب کے کسی حصے کی نظیر بھی لانا ناممکن ہے۔ کلامِ پاک
 کو ذاتِ واجب نے اپنے کلام کی طرف منسوب کیا ہے وہ عینِ علم ہے۔ اُس کا علم
 اُس کی حیات، اُس کی قدرتِ عینیّت کے اعتبار سے امتیاز نہیں پاسکتی۔ حدودِ علم
 کیا ہیں، قدرت کیا ہے، اُس کی حیات کیا ہے، علم، قدرت، حیات یہ وہ صفات
 الہی ہیں کہ جہاں ہم اُس کی عینیّت کو دیکھتے ہیں، علم کی منزل پر عینیّت کو الوہیت
 کو اُس کی ذاتِ ذی علم ہے ہر شے اُس کی ذات سے مستنبط ہے۔ قرآن پاک کی ایک
 دُعا ہے:-

”رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا“ (سورۃ مؤمن آیت ۲)

”اے ہمارے پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔“
 علم عینِ رحمت ہے اور رحمت عینِ علم ہے۔ وہ اپنی عنایت سے جس کو علم عطا کرتا
 ہے اس کو رحمت سے بھی سرفراز کرتا ہے۔ حیات بھی سرفراز کرتا ہے، قدرت بھی سرفراز

کرتا ہے، وہ فقط منظرِ علم الہی نہیں ہوتا، وہ منظرِ قدرتِ الہی بھی ہوتا ہے، وہ منظرِ حیاتِ الہی بھی ہوتا ہے۔ ذاتِ واجب نے اس کلامِ ربّانی کو اپنی ذات سے منسوب کیا جو آج آپ کے پاس محفوظ حالت میں ہے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ یہ افتخار رہا ہے اور رہے گا صرف ہمارے پاس ہے اور کسی کے پاس نہیں ہے اسی سے دل قوی ہیں، اسی سے قوت ہے، مسلمان یہ چاہتا ہے اپنے تحصیلات کو اپنے مفاہیم کو، اپنی تمام ضروریاتِ زندگی کو اسی قرآن سے حاصل کرے، اور قرآن سے پوچھے کیا حکم ہے۔

قرآن سے حاصل کرنے کی یہ خواہش عینِ اسلام ہے لیکن صلاحیت کی بھی ضرورت ہے، صلاحیت نہیں تو قرآن سے استنباط ناممکن ہوگا۔ یہ بات یاد رکھیں کہ بچہ جب ابتدائی درجوں سے علم حاصل کرنا شروع کرتا ہے توجہ تک پہلا سبق یاد نہ ہو دوسرا سبق نہیں دیا جاتا، جب تک دوسرا سبق یاد نہ ہو تیسرا سبق نہیں دیا جاتا۔ جب تک حروف پر نظر نہ جمے اُس وقت تک مرکبات نہیں بتائے جاتے۔ جب تک لفظوں پر نظر نہ ہو جملے نہیں سمجھائے جاتے، جب تک محنی کی استعداد نہ ہو اُس وقت تک دوسرے علوم کی راہیں نہیں کھولی جاتی ہیں۔ ہمارے علوم طویل میں ہیں، جیسے زینہ بہ زینہ جانا پڑتا ہے۔ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں وہ طویل میں ہے لیکن علمِ معصوم طویل میں نہیں ہے کہیں سے تو یہ بات پتہ چل جائے کہ معین نے کس سے پڑھا ہے۔ پہلا درس کس سے لیا ہے، ابتدائی کتابیں کہاں پڑھی ہیں، کچھ پتہ نہیں چلا، یکایک اُس کی زبان سے یہ جملے نکلے کہ جس نے مبداء سے بدل کے معاد کی باتیں کی ہیں پہلی وحی:

”كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۙ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۖ“
(سورہ علق آیت ۱۵-۱۶)

”اگر اب بھی یہ انسان نہیں مانے گا تو ہم اس کی پیشانی پکڑ کے کھینچیں گے
خطا کار پیشانی، چھوٹی پیشانی، مٹکار پیشانی۔“

یہ پہلی وحی کے الفاظ تھے۔ اتنی شدت و معصوم کا علم طول میں نہیں ہے۔
پہلے یہ پڑھیے، پھر یہ پڑھیے۔ یہاں اگر آٹھ برس کا بھی ہو تو اُس کو بھی وہی علم ہے
جو اُس کے جد کے پاس علم ہے۔ معصوم چھ برس کا ہو اُس وقت اُس کے پاس
وہی علم ہے جو اُن کے پدر گرامی کو حاصل ہے۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام جب
شہر طوس جا رہے تھے تو آپ کے صاحبزادے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام چھ
برس کے تھے۔ لیکن زکریا ابن آدم جو ہمارا مشہور راوی ہے اُس وقت اُس کا سن
نومے برس ہے۔ بھرے مجمع میں اُس وقت تک کھڑے ہوئے ہیں جب تک
یہ چھ برس کا بچہ بیٹھنے کی اجازت نہ دے کسی نے کہا تمہارا جیسا عالم اور بچے کی
نگاہوں کا انتظار کرے۔ جواب دیتے ہیں زکریا کہ اپنی بزرگی کو لے کر کیا کروں
اللہ نے علم تو ان کو عطا کیا ہے۔ یاد رکھیے علم معصوم طول میں نہیں ہے۔ آپ
اپنے کسی دوست سے مذہبی گفتگو کریں تو یہاں تک قیامت پر گفتگو نہیں کریں
گے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ پہلی آسمانی وحی ’لفظ“ اقرا“ سے جو شروع ہوتا
ہے۔ بے اختیار اس میں یہ جملہ ”کہدو کہ اگر یہ نہیں مانتا ہے تو اس کی
خطا کار پیشانی کو کھینچتے ہوئے ہم جہنم میں ڈال دیں گے۔“

مبدأ سے لیکر معاد تک علم بے واسطہ خالق حضور معصوم میں ہے۔
معصوم کا علم حصول نہیں ہوتا، حضور ہوتا ہے، یعنی ہر شے اپنے آپ کو معصوم
کی بارگاہ میں پیش کر دے۔ اس طرح یہ علم حضوری بے واسطہ خالق حاضر ہے
وَوَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ ”(سورہ بقرہ آیت ۱۰۱، آل عمران آیت ۷۵)
”اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے خاص کر لیتا ہے۔“ مختص کر لیتا ہے۔

خدا سے کوئی یہ پوچھ نہیں سکتا کہ اُس پر وحی کیوں آتی ہے، نمرود پر نہیں، ابراہیم پر وحی آتی ہے، کیوں؟ یہ آپ کے پوچھنے کی باتیں نہیں ہیں، آپ نے مکان بنانے کے لیے زمین خریدی، کہیں خواب گاہ کے لیے مقام پسند کیا، کہیں غسل خانے کے لیے جگہ پسند کی، اوریوں مکان بن گیا۔ آپ سے کسی کو پوچھنے کا حق نہیں ہے کہ راستہ یہاں کیوں ہے، غسل خانہ یہاں کیوں ہے، آپ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا اس لیے کہ آپ اپنی مصلحت کو جانتے ہیں، آپ جگہ کے رُخ کو جانتے ہیں، آپ ہوا کے رُخ کو پہچانتے ہیں، ہزاروں مصلحتیں ہیں۔ ابراہیم کو ابراہیم ہی بننا تھا۔ نمرود کو نمرود ہی رہنا تھا۔

معصوم کا علم کیوں معصوم کو عطا ہوتا ہے یہ ہم رب سے پوچھ نہیں سکتے۔ ہم نے وحی کی نوح کی طرف، اور اے حبیب! ہم نے وحی کی آپ کی طرف اس میں انوکھاپن نہیں ہے۔

”وَإِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ (سورہ نسا، آیت ۱۶۳)

اے حبیب! ”ہم نے آپ کی طرف وحی کی جس طرح ہم نے نوح کی طرف وحی کی۔“ اور بعد کے انبیاء پر وحی کی تھی، ابراہیم کی طرف اسماعیل، اسحاق کی طرف، یعقوب کی طرف بھی وحی کی تھی، اسباط، یعقوب کی طرف، عیسیٰ و ایوب، یونس، ہارون، سلیمان، داؤد اور موسیٰ کی طرف وحی کی تھی۔ حبیب ہم نے اس بات کی شہادت دی ہے لٰكِنَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اب تذکرہ نوح کا نہیں ہے، اب تذکرہ ابراہیم کا نہیں ہے، ایوب کا تذکرہ نہیں ہے یعقوب، موسیٰ اور عیسیٰ کا تذکرہ نہیں ہے۔ اللہ گواہی دیتا ہے کہ جو تم پر نازل کیا ہے اپنے علم سے نازل کیا ہے۔ یہ میرا علم ہے جو تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ اور ملائکہ گواہی دیتے ہیں اور شہادت کے لیے خدا کافی ہے۔

”جیب! ہم نے کسی کو اجازت نہیں دی کہ کوئی آپ کو پڑھائے۔
 اے جیب! اگر آپ کے سلسلے میں عصمت جا رہی ہے تو ہم کسی کو بھی اس کی اجازت
 نہیں دیں گے کہ اُس سلسلے میں کوئی کسی فرد کو پڑھانے کی کوشش کرے۔“ میں عملی
 باتیں کر رہا ہوں۔ آپ کی توجہ نے عنوان کو ایک شادابی عطا کی ہے۔ عنوان کے
 محتلف پہلو واضح ہوتے جا رہے ہیں۔

اگر انسان کسی بات پر دعویٰ کرے اور اگر کوئی بھی دعوے کو رد کرے
 تو انسان سر کو جھکا لیتا ہے لیکن جب یہ دعویٰ کیا جائے کہ ختمی مرتبتؐ کے
 سلسلے میں جتنے معصوم آئے اُن کو بھی کسی نے نہیں پڑھایا۔ تو ایک کے لیے نہیں
 ان سب کے لیے حکومتیں مل کر تلاش کریں، محدثین کوشش کریں، مشائخِ اجازہ
 اپنی یادداشت کو درست کریں، اپنے حافظے پر زور دے کر بتائیں کہ ہم نے معصوم
 کو کون سی بات بتلائی تھی۔ یہ دعویٰ ایسا ہے جس کی دلیل ہے۔ یہ وہ بُراں
 ہے جس کے لیے کسی کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ ذرا سا بھی امکان نہیں ہے
 ذاتِ خاتمِ تو ایک طرف، اُن کی گود میں پلنے والے شیرِ دلاور کی طرف اشارہ
 کر کے کوئی کہہ سکے کہ ہم نے اس بچے کو بھی پڑھایا ہے۔

عُثلی نے فرمایا: ”میں بچہ تھا رسولؐ مجھے اپنے سینے پر لٹاتے
 تھے۔ اور اپنے بستر پر مجھے لٹاتے تھے، پہلے غذا کو اپنے دانتوں سے اچھی طرح
 باریک کر لیتے پھر مجھے کھلاتے تھے، علم کے ابواب مجھ پر کھولتے تھے۔“
 عُثلی سے ساری عداوتوں کے باوجود کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا
 کہ ہم نے عُثلی کو بچپن میں پڑھایا تھا۔ عُثلی تو سب سے چھوٹے تھے نا۔

اگر بچے تھے، جب اسلام لائے، تو کس نے پڑھایا اس بچے کو۔ کوئی
 دعویٰ نہیں کر سکا۔ بات دوتک جائے گی۔

ایسا نہیں کہ عرب میں پڑھے لکھے نہیں تھے، عرب میں بہت پڑھے لکھے تھے۔ ”سبعہ معلقات“ کے آویزاں کرنے والے بھی تھے جن سے عربی ادب آج تک زندہ ہے۔ ایسے بھی تھے مگر کسی کی یہ مجال نہیں ہوئی کہ یہ کہہ سکے، ہم عسلی کے استاد ہیں۔ علم کی منزل ہی کچھ اور ہے، معصوم نے فرمایا: اگر ہم کو پہچانا چاہو تو تین باتوں میں پہچانو۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: ”تین باتوں میں تمام ائمہ طاہرین سب کے سب برابر ہیں۔ ہمارے چھوٹے بڑے سب تین باتوں میں برابر ہیں:-

(۱) علم (۲) شجاعت (۳) عبادت

اب کسی کا آٹھ برس کا سن ہو یا کسی کا ستاون برس کا سن ہو یا ترستھ برس کا ہو یا کوئی چھ برس کا، علم و شجاعت و عبادت میں سب برابر ہیں۔ فقط فاتح خیبر ہی شجاع نہیں ہیں۔ عابد بیمار بھی شجاع ہیں ”اصول کافی“ کی حدیث ہے۔

فاتح خیبر و خندق ہو، فاتح بدر و حنین ہو، جبل و صفین و نہروان میں جس کی تلوار نے اپنا لوہا منوایا ہو۔ ارشاد فرمایا ہم سب برابر ہیں۔ مالک اشتر بیان کرتے ہیں: ”لیسۃ الہریر“ کی لڑائی تھی، صفین کی جنگ تھی، قیامت کی لڑائی تھی، عسلی قیامت کا حملہ کر رہے تھے، ایک مرتبہ عسلی کو اطلاع ملی کہ حسین چلے لڑنے کے لیے، عسلی نے کہا مالک اشتر حسین کو روک لو، اس لیے روک لو کہ کہیں حسین کے جسم پر کوئی زخم نہ آجائے نہیں یہ بات نہیں ہے۔ اس لیے روک لو کہ کربلا مقدّر ہے۔ آج حسین میدان جنگ میں آگئے تو نقشہ جنگ بدل جائے گا۔

علم میں شجاعت میں عبادت میں سب برابر ہیں۔ اُس دور میں
 اللہ سے لیکر ۲۶ ہزار تک جنید بغدادی، بُسْطامی، منصور خَلّاج
 حسن بصری، سفیان ثوری بھی بڑے بڑے عبادت کرنے والے گذرے کسی
 تصوف کی کتاب میں کوئی یہ بتلا دے کہ کسی نے معصوم کو کوئی عبادت کا طریقہ
 یا کوئی دعا بتلائی ہو۔ یہ صوفیائے کرام معصومین کے ہم عصر ہیں، بڑے بڑے
 عبادت گزار، بالکل اسی طرح جس طرح کوئی علم میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہم
 نے پڑھایا ہے۔ عبادت میں بھی کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہم نے کوئی طریقہ عبادت
 کا سکھلایا ہے۔ اور بالکل اسی طرح کوئی جانباز، کوئی نبرد آزما، کوئی پہلوان یہ
 نہیں کہہ سکتا کہ فنون سپر گری عسلی نے محمد سے سیکھے تھے، بڑے بڑے پہلوان
 تھے عرب میں، پڑھے لکھے کم ہوں گے، پہلوان تو بڑے بڑے تھے لیکن کسی نے
 یہ بھی کہا کہ پچیس میں ہم نے ان کو یہ تعلیم دی تھی، یہ دار ہمارا سکھلایا ہوا
 کسی نے یہ بھی کہا کہ ارے گھر میں تلوار چلانے کی مشق کی تھی، کسی تاریخ میں ہے؟
 ارے بغیر مشق کیے عسلی بدر کے میدان میں یوں آتے۔ رسولؐ نہ بھیجنا چاہیں
 ان کو اور انصار کو بھیج دیا، تم جاؤ میں تمھارا مہمان ہوں تم میرے محافظ ہو۔
 بھیج دیا۔ مکے والوں نے کہا، جو لوگ آرہے ہیں ہم ان سے واقف نہیں ہیں، انکو
 بھیجو جن کے نام ہم جانتے ہوں، جن کا نسب صحیح ہو۔ پھر گھر والے گئے حِجْرہ
 گئے، عبیدہ ابن حارث ابن عبد المطلب گئے، کسی علی کی کسی وہ گئے
 نہیں کہیں مشق کی نہ تلوار چلائی۔ ہمیشہ مکے میں تلوار تو پھرتے نہیں رہے۔
 اب عسلی جو بدر کی لڑائی میں آئے، اور بدر میں یہ آیت آئی قرآن گواہ ہے:
 ”هَذَانِ حَصْنٌ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ“ (سورۃ حج آیت ۱۹)
 ”یہ دو گروہ ہیں جو (اپنے اپنے حق کیلئے لڑ رہے ہیں) اپنے اپنے رب کیلئے لڑ رہے ہیں“

میں بہت زیادہ مداح ہوں صحیحین کے جمع کرنے والوں کا، محمد اسماعیل بخاری اور مسلم ابن حجاجؒ نے بڑی محنت کی احادیث کے جمع کرنے میں، کراچی میں ”صحیح مسلم“ چھپ چکی ہے، اردو ترجمہ چھ جلدوں میں، مگر جہاں ”صحیح مسلم“ کو ختم کیا وہ اسی آیت پر ختم کیا۔ اور آیت کے نیچے لکھا کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے لیے نازل ہوئی ہے۔ کتاب کا آخری صفحہ ہے ضرور پڑھیے۔

اور اگر بخاریؒ کو دیکھنا ہے تو تفسیر میں دیکھیے۔ اُنہوں نے لکھا ہے۔ ”حضرت علیؑ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ ”جب قیامت ہوگی تو سب سے پہلے میں کھڑے ہو کر جہنم کی بارگاہ میں عرض کروں گا، پروردگار! مجھ سے یہ دشمنی کی گئی۔“ اسی لیے تو دونوں کتابوں کی تعریفیں کرتا ہوں کہ جس بات کو جس مقام پر رکھ دیا اُس کے معنی یہ کہ یہ سمجھ کر رکھ دیا کہ حق پسند کبھی نہ کبھی فائدہ اٹھالیں گے۔

نہ علم میں کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم نے پڑھایا، نہ شجاعت کی منزل پر کسی پہلوان نے یہ کہا کہ یہ فنون سپہ گری علیؑ نے مجھ سے لیے ہیں۔ اور عبادت کی منزل پر نہ کسی نے یہ کہا کہ یہ دعاء میری سکھلائی ہوئی تھی۔ یہ عجیب شرافت ہے۔ یہ عجیب بزرگی ہے کہ علم ملا تو شجاعت ملی، علم و شجاعت کی عطا ہوئی تو عبادت کی وہ کیفیت ہوئی کہ جس پر آل محمدؑ کو ہمیشہ افتخار رہا۔ علم، شجاعت، عبادت یہ ساتھ ساتھ ہیں۔ عبادت کے معنی یہ کہ شجاعت — ! ورنہ بعد قتل حسینؑ، جہاں قاتلہ رُکے وہاں زنجیروں کو تھام کر عابدِ بیار کا سجدہ، جس سجدے سے دنیا کو اختلاف ہے، وہیں کوئی تلوار کا وار کرتا کہ تمہاری نماز ہماری نماز سے الگ ہے۔ یہی کہ یہ منزل شجاعت ہے کہ جس سجدے سے تم نے روکنے کے لیے میرے بابا کو قتل کیا وہ

سجدہ اب جاری ہے، وہ سجدہ باقی رہے گا۔ اور عسلم کی منزل پر یہ اپنی آپ نظیر ہیں اور یہ سب مِنَ اللہ ہیں، اسی لیے صرف شجاعت ہی نہیں عطا ہوئی بلکہ صرف شجاعت کے لیے تلوار بھی بھجوائی اور یہ کہہ کر ”نہ ایسا جوان ہے اور نہ ایسی تلوار ہے“

ایک عجیب و غریب منزل یاد آئی۔ معصوم فرماتے تھے کہ: ”اللہ نے حرام قرار دیا ہے آتش جہنم کو اُس صُلب پر جس میں محمدؐ ہیں۔ اُس گود پر آتش جہنم حرام ہے جس گود میں محمدؐ پلے ہیں“ یہ معصوم کا ارشاد ہے۔ فرمایا: صُلب، صُلبِ عبد اللہ، رحم، رحمِ آمنہ، گود، ابوطالب کی گود، معصوم کا ارشاد ہے: ”مجھے دوسروں کی فکر سے کیا لینا ہے۔ یہ ارشاد معصوم ہے: ”جس گود میں معصوم پلتا ہے اُس کو اتنا علم مل جاتا ہے کہ فاطمہ بنتِ اسد کا نبی ہوئی ابوطالب کے پاس آئیں اور کہا: ابوطالب! مبارک ہو مبارک آمنہ کے یہاں فرزند کی ولادت ہوئی ہے۔ ابوطالب نے مسکرا کر کہا: ”فاطمہ بنتِ اسد آج سے تیس برس کے بعد ایسا ہی فرزند تمہارے یہاں بھی پیدا ہوگا، مگر نبوت نہ ہوگی۔“ جس گود میں معصوم پلتا ہے وہ اتنی دور دیکھتا ہے۔ یہ منزل ابوطالب ہے۔ معصوم تو ایک طرف ابوطالب کے کسی نقاد نے بھی یہ تبصرہ نہیں کیا کہ ابوطالب کس کے شاگرد تھے۔ ابوطالب نے کس سے تعلیم حاصل کی تھی اور یہ ابوطالب کی عصمت شناسی تھی، معصوم کو اس طرح سے ابوطالب پہچانتے تھے کہ محمدؐ کو گود میں لے کر کہتے تھے:

وَمِيزَانٍ عَدْلٍ لَا يُخْسِفُ شَعِيرَةً

وَوِزَانٍ صِدْقٍ وَزَنَهُ غَيْرَ عَائِلٍ

”یہ ترازو ہے عدل کا، جہاں پر کاہ تک کا وزن بھی معلوم ہو جائے گا“

یہ تو لے والا ہے صداقت کا، جہاں اس کے قول میں ذرہ برابر بھی صداقت سے دوری نہیں ہوگی۔“

ابوطالب یحییٰ میں محمدؐ کی عصمت کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ ۳۹ء ہے۔ کلمہ پڑھتے پڑھتے زندگی گزر گئی۔ اب بھی کبھی شک ہوتا ہے مسلمانوں کو، کہ رسولؐ معصوم تھے یا نہیں، اور رسولؐ کے یحییٰ میں یہ اصرار بھی کہے تھے اور اب منزل بھی عجیب ہے۔ ابوطالب رسولؐ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّا ابْنَنَا لَا مُكَذَّبٌ
لَدُنَّا وَلَا يُعْنَى بِقَوْلِ إِلَّا بَاطِلٌ

”تم کو معلوم ہے ہمارا بچہ (محمدؐ) جھٹلایا نہیں جاتا (یہ نہیں کہ ”جھوٹا“ نہیں ہے) بلکہ کوئی جھٹلا بھی نہیں سکتا۔ اور باطل پرستوں کی باتوں کی ہم کو پروا بھی کیا ہے۔“

جو منزل عصمت سے قریب ہو گیا اُس کے علم کا کیا کہنا۔ رسولؐ کی نزدیکی نے سلمان کو جو مقام عطا کیا، ابوزرؓ کو جو منزل عطا ہوئی، علیؓ کی قربت نے میثمؓ کو جو مقام دیا، عسائرؓ کو کیا مرتبے ملے، کننا وقت درکار ہے یہ بتانے کے لیے کہ علم معصوم کس طرح پھیل گیا۔ کوفے کے ایک محلے میں میثمؓ ایک درخت میں روز پانی ڈالتے تھے۔ درخت کے قریب ایک شخص کا مکان تھا، اُس نے کہا: کیا بات ہے میثمؓ تم اس درخت کی اس طرح پرورش کیوں کر رہے ہو؟ کہا: میں یہاں آنے والا ہوں۔ اُس نے کہا کیا پاس کا گھر لے لیا ہے تم نے؟ میثمؓ نے کہا: بس تمہارے قریب آنے والا ہوں۔ اُس شخص کو اُس دن پتہ چلا جب میثمؓ کو اُس درخت پر سولی دی گئی:

میشم کن علوم کے حامل تھے، کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ میثم تمار کو ہزدی الحجہ کو حضرت مسلم کی شہادت کے دس روز بعد سولی دی گئی۔ میثم کو معلوم تھا مجھے یہاں سولی دی جائے گی۔ لیکن دل میں بس یہ تمنا تھی، ایک ایک سے کہتے تھے کہ بلا جاؤ، بلا جاؤ، حسین آ رہے ہیں۔

یہ ہے میثم کا علم۔ ایک دن حبیب ابن مظاہر سے مل کر کہا: حبیب! بازار میں کیا کر رہے ہو؟ حبیب نے کہا: میثم! بازار میں آیا تھا خضاب لینے کے لیے۔ میثم نے کہا: خضاب کی شیشی ہاتھ سے پھینک دو اس لیے کہ تمہارے سر کے لہو سے یہ ڈاڑھی خضاب ہوگی۔ بازار والے ہنس رہے ہیں کہ یہ دیوانے کیا باتیں کر رہے ہیں۔ معصوم کے دامن سے جو قریب ہو گیا اُس کے علم کا کیا کہنا۔ میثم دیکھ رہے ہیں مسلم کے قتل کو دیکھا، میثم نے مسلم کی لاش کو کوفے میں دیکھا، میثم نے مسلم کے سر کو آویزاں دیکھا۔ ابن زیاد نے میثم کو بلا کر کہا تمہارا مقام مجھے معلوم ہے بس اتنا کرو کہ علی کو برا کہو۔ میثم نے کہا: زندگی جس کی محبت میں گزر گئی اب آخر دم بھی اُسی کی محبت میں گزرے گا۔ ابن زیاد! میں کچھ فضائل علیؑ کے سنار بارہوں سنو! دربار میں عسلی کے فضائل بیان کیے۔ ابن زیاد نے کہا: میثم! ہم تم کو دار پر لٹکا دیں گے۔ کہا: میرے مولانا بھی یہی کہا تھا، اُس نے کہا: ہم تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں گے۔ میثم نے کہا: میرے مولانا بھی اس کی خبر دی تھی۔ کہا: میثم! ہم تمہاری زبان کاٹ دیں گے۔ کہا: میرے مولانا بھی یہی کہا تھا۔ آخری زخم مجھے جو لگے گا وہ یہی ہوگا۔ ابن زیاد نے جل کر کہا: ہم تمہاری زبان نہیں کاٹیں گے تاکہ عسلی کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔ میثم نے کہا: کسی کی مجال ہے جو میرے مولاکو جھٹلا سکے۔ ۹ ابن زیاد نے میثم کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر دار

لٹکا دیا، زبان میثم کی چل رہی تھی، پکار پکار کر کہنے لگے کوئی والا! قریب آؤ
 آج علیؑ کے وہ فضائل بیان کروں گا جو تم نے اب تک نہیں سنے ہوں گے۔ کوئی
 والے جے ہو گئے، میثم نے فضائل علیؑ بیان کرنا شروع کیے۔ لوگوں نے جا کر کہا:
 ابن زیاد! غضب ہو گیا میثم مسلسل علیؑ کے فضائل بیان کر رہے ہیں۔ ابن زیاد
 نے حکم دیا، اچھا، زبان کاٹ دو — جب زبان کاٹنے کے لیے آدمی آیا —
 — زبان کو آگے بڑھا کر کہا — کیوں، میرا مولا سچا ہے نا — !!

یہ ۲۰ ذی الحجہ کا واقعہ ہے، ۹ ذی الحجہ کو مسلم کی شہادت، میثم کی شہادت
 کے بعد دس روز اور گزرے محرم کا چاند حسینؑ نے سفر میں دیکھا، دوسری محرم
 کو حسینؑ کربلا پہنچے، دس محرم کو حسینؑ کی شہادت ہوئی۔ خیمے جلنے لگے۔ دو
 بچے ہاتھ میں ہاتھ لیے ایک طرف بھاگے۔ فوجوں نے گرفتار کیا
 تیز رفتار گھوڑوں پر بچے بٹھائے گئے۔ ابن زیاد کے سامنے بچے پیش کیے
 گئے۔ ابن زیاد نے پوچھا: تم کون ہو؟ بچوں نے کہا: ہم مسلم بن عقیلؑ کے
 فرزند ہیں۔ ابن زیاد نے کہا: قید کرو۔ ماں قید ہو کے ابھی آئی نہ تھی کہ بچے
 قید ہو گئے۔ ماں کوئی قید ہو کر آئی بھی اور چلی بھی گئی، بچے قید میں رہے۔ ایک
 سال کامل گذرا، چار اور پانچ برس کے ان بچوں نے قید میں عیدیں بھی منائیں
 اسی قید میں رمضان بھی گذرا اور اسی قید سے اتنی مہلت بھی ملی کہ مشکور زندان بان
 کی قید سے آزاد ہو کر چلے، دوبارہ اسیر ہوئے، قاتل کے نہان ہوئے، دریا
 کے کنارے لائے گئے۔ بچوں نے نماز ادا کی، قاتل نے بچوں کو قتل کیا۔
 ننھے ننھے سریے ہوئے قاتل ابن زیاد کے دربار میں پہنچا، سروں پر نظر پڑی
 ابن زیاد تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔

ابن زیاد نے کہا: حارث! کیوں قتل کیا، یہ تو معصوم بچے تھے۔
 اے امیر! بچوں نے بڑی منتیں کیں، کبھی کہتے تھے مدینے لے چل تھے
 انعام دلائیں گے، کبھی کہتے تھے زلفیں کاٹ کر بازار میں بیچ ڈال، کبھی کہتے
 تھے زندہ لے چل ابن زیاد کے پاس، لیکن میں نے ایک نہ سنی اور دونوں
 کو قتل کر دیا۔

ابن زیاد نے کہا: ارے کوئی ہے جو حارث کو قتل کرے؟
 حارث کو لے کر اسی مقام پر پہنچا جہاں بچے قتل ہوئے تھے۔ اُس نے پوچھا
 یہ ریتی پر لہو کے نشان کیسے ہیں؟ ارے یہ لہو کے نشان ایسے ہیں جیسے
 کوئی بہت زیادہ زمین پر ٹپا ہو۔ — !!

مجلسِ چہارم

- ۱۔ سلسلہ معصوم کی حدیث میں غیر نہیں آسکتا۔
- ۲۔ معصوم کا سلسلہ حدیث معصوم سے ہی ہوتا ہے۔
- ۳۔ حضراتِ صادقین اور اصول کافی۔
- ۴۔ ولایت یعنی حق سے قربت۔
- ۵۔ اللہ نے قرآن میں اپنے بندوں کے لیے تجلّی کی ہے۔
- ۶۔ شاگرد وہ ہے جو استاد کا نام روشن کرے۔
- ۷۔ حضرت خضرؑ کے پاس علم لُڈنی تھا۔
- ۸۔ حضرت آصف بن برخیا کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا۔
- ۹۔ سورۃ التوبہ (برأت) اور علم معصوم۔
- ۱۰۔ علم آجانے کے بعد پھر مباہلہ ہے۔
- ۱۱۔ شہادتِ حضرت حُرؑ۔

عشرۃ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

بمقام نشر پارک

۴ محرم / ۱۳ مارچ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مجلس چہارم

سورۃ نساء کی آیات کو آپ سماعت فرما رہے تھے۔ آخری حصے کو عنوان بنایا گیا ہے۔ آپ کو سلسلہ فکر یاد رہے، ”علم معصوم“ کے عنوان پر یہ چوتھی تقریر ہے۔ کل گفتگوی تھی کہ علم معصوم کا مدرک کیا ہے؟ علم معصوم کے مدارک و ماخذ کیا ہیں؟ حدیث کے جمع کرنے والے کسی مورخ نے بلکہ حدیث کے وضع کرنے والے نے بھی جرأت نہیں کی کہ جن کو ہم ائمہ معصومین کہتے ہیں ان کے علم کے لیے اساتذہ کا اعلان کیا جائے۔ عام طور سے محمد یعقوب کلینیؒ کی سوانح حیات میں لکھا جاتا ہے ان کے استاد کون تھے، اور پھر یہ لکھا جاتا ہے ان کے شاگرد کون تھے۔ جب بھی کسی عالم پر گفتگو کی جاتی ہے تو ماں باپ کے نام کے بعد پہلا سوال یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے حدیث کو کیا کس سے، اس علم کو کس سے پایا۔ کیا کس سے اور کس کو دیا، علم کی تاریخ میں یہ ہوتا آیا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ سب نے ائمہ معصومینؑ کے احوال کو لکھنے کی کوشش کی ”خزینۃ الاولیاء“ جیسی کتاب ضخیم ہمارے پاس موجود ہے اس میں سارے ائمہ کا حال موجود ہے۔ پھر بسط ابن جوزی کی کتاب ہے ”قصائص الائمہ“ جس میں تمام ائمہ کے حالات ہیں، اور اسی طرح بہت سی کتابیں ہیں لیکن کسی نے یہ لکھتے ہوئے کہ ان کے پیر گرامی یہ تھے، ان کی اولاد یہ تھی، کسی نے یہ جرأت نہیں کی کہ یہ لکھتا انھوں نے علم کس سے لیا تھا۔ وضاحت کے ساتھ یہ بھی نہ کہہ سکے کہ انھوں نے روایت کو کس سے لیا۔

دیکھتے ایسا نہیں کہ میں کہنا کچھ چاہتا ہوں اور کہہ کچھ اور رہا ہوں۔
 نہیں میں وہی کہہ رہا ہوں جو عالم اسلام کی آواز ہے۔ اُسی آواز کو آپ تک پہنچا رہا
 ہوں۔ بھوں نے اولادِ رسولؐ کے سلسلے میں حجِ الہی کو مانا، یہ اور بات ہے کہ صوفیائے
 کرام مقابل پر آئے۔ یہ اور بات ہے کہ محدثین عالی مقام سامنے آئے لیکن یہ
 نہ لکھ سکے کہ انھوں نے کسی سے تعلیم حاصل کی اور نہ یہ لکھ سکے کہ اُن میں کوئی خلقی
 یا خلقی بُرائی تھی خلقی بُرائی یعنی ایسا چہرہ اور بُشری تھا یا بد شکل تھے۔ اس طرح
 کی کوئی بات مورخ نہ لکھ سکا۔ بہت سی کتابیں موجود ہیں جس میں یہ موجود ہے
 کس کا کیسا چہرہ تھا۔ اگر ذرا سی کوئی بات ہوتی تو نہ جانے کیا کیا معصومین کیلئے
 لکھ دیتے لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ حدیث وضع کرنے والے ائمہ کی خلقی
 بُرائی لکھنے سے قاصر رہے۔ عجیب گھرا نا ہے، خدا جس گھرانے کی طہارت کی
 خود ذمہ داری لے لے اُس کے لیے خلقی یا خلقی بُرائی تلاش کرنے کا امکان ہی
 باقی نہیں رہتا۔

ہم گفتگو کو مشابہات پر لے جا رہے ہیں۔ تیرہ سو برس کے عرصے میں
 جو کچھ بھی لکھا گیا، لکھنے والوں نے یہ ضرور لکھا کہ اُن کا حق نہیں تھا۔ لیکن کہیں یہ نہ
 لکھ سکے کہ ان میں کوئی اخلاقی بُرائی تھی۔ ہاں یہ ضرور لکھا کہ حدیثوں کا ایک سلسلہ
 ائمہ ظاہرین کے ذریعے سے آیا، مقدمہ ابن خلدون کو ملاحظہ کیجیے اس
 کے ابتدائی حصے میں ہے، معصومین نے کتنی حدیثوں کو پیغمبرؐ کی جانب منسوب
 کر کے بیان کیا۔ اُن حدیثوں میں اتنی اجنبیت تھی کہ نئے نئے مذاہبِ فکر پیدا
 ہو گئے، اُنھوں نے جو حدیثیں بیان کی ہیں وہ اپنے ہی گھرانے کے حوالے سے
 بیان کی ہیں۔ میں نے اپنے جبرِ رسولؐ کی حدیث کو اپنے پیرِ گرامی سے لیا اُنھوں
 نے اپنے پیرِ گرامی سے سنا، کوئی غیر روایت میں شامل نہیں ہے، کوئی اور روایت

میں داخل نہیں ہے۔ ایک مسئلہ شروع میں حل کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔

علم کی بحث میں ہمیشہ ایک معیار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں ایک محکم کی کسوٹی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے سونے کو کس کے دیکھتے ہیں۔ جوہری، جواہرات کو پرکھتے ہیں۔ اسی طرح علم کو پرکھا جاتا ہے، کتنا علم ہے، ایسے موقع پر علم کا ایک معیار ہوتا ہے۔ بعدِ پیغمبرِ حدیث کے دُورِ راستے تھے ایک راستہ بذریعہ اہل بیت آیا، دوسرا راستہ اہل بیت سے ہٹ کر آیا۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں آپ ان دونوں راستوں میں سے کس کو کس کے لیے معیار بنائیں گے۔ یعنی ارشاداتِ اہل بیت حضرت امام جعفر صادق صلوٰۃ اللہ علیہ کے لیے معیار یہ ہے۔ دیکھو امام جعفر صادق علیہ السلام نے کیا کہا۔ دیکھو سعید خدری نے کیا کہا، دیکھو کسی اور صحابی نے کیا کہا، وہ سب میرے سر آنکھوں مگر معیار اہل بیت ہیں مثلاً سفیان ثوری نے یہ کہا، تو اس کو لیکر میں اس معیار پر پرکھوں گا کہ صادق آلِ محمدؐ نے بھی یہ کہا یا نہیں کہا۔ یعنی اہل بیت غیر اہل بیت کے لیے معیار ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت امام محمد باقر صلوٰۃ اللہ علیہ کی کسی حدیث کو لے کر ہم حدیث کی کسی کتاب کے معیار پر پرکھیں کہ کہا یا نہیں کہا تھا۔ جہاں یہ تصور آجائے وہاں ہمارا عقیدہ متزلزل ہو جائے گا اس لیے کہ طرفِ عصمت کچھ اور ہے۔ یہ مسئلہ طے کر لیجیے کہ اہل بیت ساری دنیا کے علم کے لیے معیار ہیں۔ اہل بیت کے لیے کسی کو کسوٹی نہیں بنایا جاسکتا، کسی اور کو معیار نہیں بنایا جاسکتا، اور اہل بیت کو کیوں معیار بنانا پڑتا ہے۔ اس لیے معیار بنانا پڑتا ہے کہ یہ کتاب کے ساتھ ساتھ جارہے ہیں۔ اہل بیت علم کی محکم ہیں۔ اب اگر سولہ ہزار ایک سونناوے حدیثیں "کافی" میں ہیں۔ یہ اور حدیثیں اگر اہل بیت سے ہیں تو یہ معیار ہیں، یہ پرکھ ہیں۔ دوسروں کے کلام کو ان کے

ارشادات پر جانچیں گے۔ جو کچھ کہنے والے نے کہا وہ کہاں تک حق ہے۔ ارکان اسلام کی بحث میں اصول کافی میں صادقین یعنی دو امام۔ پانچویں امام اور امام ششم سے حدیث ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ اور ولایت۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ یہ میرے جد نے فرمایا۔ اور حدیث صحیحین میں ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور کلمہ لا الہ الا یہ کلمہ لا الہ کا ٹکڑا یہ بتا رہا ہے کہ ولایت تو یہیں سے لی لیکن اپنی انفرادیت کو الگ کرنے کے لیے دوسرے ٹکڑے کو تلاش کیا جو ولایت کی جگہ رکھ دیا جائے۔ لیکن معصوم کے علم کا احاطہ یہ ہے کہ کلمہ لا الہ کو بھی اُسی لفظ ولایت میں لے لیا۔ بس فرق یہ ہے جو لا الہ الا اللہ کہہ دے، بخاری نے کہا اس کے لیے جنت ہے لیکن حضرت امام علی رضا صلوٰۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو لا الہ الا اللہ کہے، وہ عذاب الہی سے امان پاتا ہے۔ اور یہ کہہ کر جب سواری آگے بڑھی تو اسماعیل ابن راوحہ یعنی اجازہ شیخ بخاری نے کہا کہ امام نے فرمایا: سواری کو روک لو۔ سواری رُکی، پردہ محل کو الٹ کے کہا "بَشْطِطْهَا وَ شَرْطِطْهَا" تو اب لا الہ الا اللہ شرط کے ساتھ ہے۔ لا الہ الا اللہ کے ساتھ جہاں شرط آجائے وہ ولایت ہے۔ اور ولایت کے معنی قُربِ کمال ہے۔ نزدیکی، حق کی دوستی، حق سے قُربت، اُس کو ولی بنا نا۔ اُس کو ولی گردانا، حق ولی ہے :-

"اِسْمًا وَلِيْتُكُمْ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ" (مائتہ آیت)

روایت کہیں بدل رہی ہو یا کوئی لفظ حدیث کا بدل رہا ہو تو اُس کے لیے ہم معیار جنتے ہیں کلام معصوم سے۔ اس لیے کہ معصوم کا علم سنبھالتا ہے، معصوم کے علم کا مدرک مآخذ ختمی مرتبت کی ذاتِ گرامی ہے۔ ختمی مرتبت کے علوم کا مرکز و مدرک وحی ربانی ہے وہ وحی جو قلبِ رسول پر آئے، ذاتِ واجب نے جو علم دیا وہ سارا علم نورِ نوحی تھا

تفسیر شیخ اکبر دو جلدوں میں ہے اور نایاب ہے۔ محی الدین عربی کی یہ تفسیر ہے۔ یہ ڈاکٹر اقبال کے استاد روحانی ہیں۔ اقبال نے ان کے بیانات سے بڑا فیض حاصل کیا ہے۔ محی الدین عربی تفسیر کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ ”میرے سید و مولا حضرت امام جعفر صادق صلوٰۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ”اللہ نے اپنے بندوں کے لیے قرآن میں تجبلیٰ کیا ہے۔“ اب یہ آیتیں نہیں ہیں تجلیاں ہیں لفظ آپ کی نگاہوں میں ہے مگر جب قلبِ رسولؐ پر تجلیاں آ رہی تھیں تو تجلیوں کا ترجمہ رسولؐ کر رہا تھا۔ اور وہ تجبلیٰ ذاتِ واجب کی جو قرآن میں ہوئی حکیم مطلق ہے۔ علم الہی کی تعریف مختصر یہ ہے: اول بھی وہی ہے آخر بھی وہی ہے، باطن بھی وہی ہے ظاہر بھی وہی ہے، ہر چیز پر اس کا علم محیط ہے۔ علم الہی کثرتِ معلوم سے کثرت نہیں پاتا جو فنا سے معلوم سے فانی نہیں ہوتا، جو تغیرِ معلوم سے تغیر نہیں ہوتا، جو انتقالِ معلوم سے منتقل نہیں ہوتا، اذلی ہے ابدی ہے جاودانی ہے اُس میں فنا نہیں، اُس میں حدوث نہیں اور برآن ایک نئی تجلی ہے اس لیے کہ ذاتِ واجب لا محدود ہے۔ اُس حکیم مطلق کو جس کو علیم کہتے ہیں وہ علیم حرم کو حکیم کہتے ہیں۔ اس کے لیے ہدایت کے لیے ضروری ہے کہ تجبلیٰ فرمائے۔ اب کائنات ساری بنی ہوئی ہے ہر ذرہ اک آئینہ ہے اس کی تجلی کو قبول کرنے کے لیے مگر علم الہی کی تجلیوں کو ذرات کیا قبول کریں، زمین و چاند تارے کیا قبول کریں، شجر و حجر کیا قبول کریں، دریا اور جبال کیا قبول کریں اس لیے انسان کی تکمیل پر اسلام کو لایا، اسلام کی تکمیل پر ایمان آیا، ایمان کی تکمیل پر تقویٰ آیا، تقویٰ کی تکمیل پر ولایت آئی، ولایت کی تکمیل پر خلعت آئی، خلعت کی تکمیل پر نبوت آئی، نبوت کی تکمیل پر رسالت آئی، رسالت کی تکمیل پر آخری خاتمیت آئی، کائنات میں ایک ہستی کو چُن کر کہا میری تجبلیٰ ہے، جو تجبلیٰ حکیم نے کی، آپ بتائیں اگر آپ استاد ہوں

اور آپ واقعی بے چین ہوں کہ اپنے علوم کو منتقل کرنا چاہیں تو آپ یہ نہیں چاہیں گے کہ قبول کرنے والا دل بھی ہو، قبول کرنے والا دماغ بھی ہو۔ ہر استاد یہ چاہتا ہے ہیشیار طالب علم ہو جو سب کا سب استاد سے لے لے۔ ہر استاد یہ چاہتا ہے کہ ایسا شاگرد آئے جو استاد کے نام کو باقی رکھے۔ ہر استاد کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ میرا علم رائیگاں نہ جائے اور کئی ذہن ہے شاگرد تو ایک دو سبق کے بعد استاد شاگرد کو رخصت کر دیتا ہے، اب ضرورت نہیں اور اگر شاگرد کے ذہن میں صفا ہے، جلا ہے، آئینہ بنا ہوا ہے تو استاد نے کہا اور اُس نے قبول کیا۔ کائنات میں ایک کوچن کے دیکھا کہ آئینے میں کہیں زنگ نہیں، کدورت کا نشان بھی نہیں ہے اس لیے کہا ”ظہ“ — طاہرہ دیکھا کہ اس میں ذرہ برابر میل نہیں ہے، کدورت نہیں ہے۔ ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گہائش نہیں ہے، زنگ آلود ہونا تو ایک طرف ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گرد بھی آئینے پر نہیں جمتی ہے اُس نے تجسبی کی آئینے نے قبول کیا، حکم ملا، اب اور آئینے تلاش کرو، علم کو قیامت تک جانا ہے، آئینے کے مقابل آئینہ آئے، دوسرے آئینے کے بعد میرا آئینہ آئے، تاکہ آفتاب قیوم درختاں ہو، آئینہ عبدیت میں منعکس کرے آئینہ ولایت میں۔ آئینہ ولایت منعکس کرے آئینہ امامت میں اور اس طرح یہ سلسلہ قیامت تک جائے: ”ظہ“ مَا أُنْزِلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰ (ظہ۔ ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں فرمایا کہ آپ کو مشقت ہو) (سورہ ظہ آیت ۱-۲) اپنے آپ کو وہ عزیز و حکیم کہتا ہے۔ یہ قرآن ہے۔ وہ علیم حکیم ہے۔ وہ حکمت والا ہے جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے۔

یہ مثال آپ کے سمجھ میں آئی کہ آپ ہم جب پڑھنے جاتے ہیں تو ہمارے پڑھانے والے کو پہلے یہ تلاش ہوتی ہے کہ قبول کرے گا یا نہیں، چہ جائیکہ ذاتِ حق

جب علم دینا چاہے اور کون ”الرَّحْمَنُ“ علم دینے والا کون؟ ”رحمن“
یعنی رحیم نہیں کہا، خصوصیت ہو جائے فقط صاحبِ ایمان کے لیے۔ ”رحمن“
یعنی موسیٰ اور فرعون کو پالنے والا، ابراہیم و نمرود کی پرورش کرنے والا۔
کافر و مسلم کو دیکھنے والا۔ ہر ایک کو رزق دینے والا رحمن جس کے فیض میں
کمی نہیں اور رحمن وہ کہ علم دے اور علم کون سا۔؟
”الرَّحْمَنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۚ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۚ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ“
(سورۃ الرحمن آیت ۴۴)

قرآن کا علم دیا رحمن نے، علم دینے والا کیا اس بات کا یقین رکھتا تھا
کہ جس کو علم دیا ہے اُس نے قبول کیا یا نہیں، کیا اس کو بھی شک ہے جبکہ کتاب
کی تعریف لَا رَيْبَ فِيهِ ہے۔ تو جس کو علم دیا اُس کے لیے یقین تھا کہ کامل
کو دے رہا ہوں۔ ایک مجبلیٰ آئینے کی طرف یہ تجلیاں جا رہی ہیں۔ رحمن علم دے اور
رحمن ہے کہاں: الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (سورۃ طہ آیت ۵)
”رحمن عرش پر ہے۔“ مفسرین نے عرش کی تعریف میں دفتر کے دفتر لکھ دیے۔
اُس میں ملنا کہ کھڑے ہوئے ہیں۔ ایسا قصر ہے، ایسا محل ہے، ایسا دربار ہے
ایسا بلند ہے، اتنے ستون ہیں، عرش الہی ہے، اس میں جسم و جسمانیّت کو پایا،
مادہ اور مادّیت کو پایا، اور یہ روایتیں آئیں اب میں روایتوں کے لیے محک
کہاں تلاش کروں۔ اُن روایتوں کو جانچوں کہاں، معیار کیا ہے۔ چلو پھر اُسی بارگاہ
میں۔ فرزندِ رسول! آپ بتائیے ”عرش کیا ہے؟“ امام صادق علیہ السلام فرماتے
ہیں: ”عرش کمالِ علم الہی ہے“ ”اپنے علم پر مستوی ہے، اپنے علم کے ساتھ ہے
رحمن اپنے علم پر اپنی تمام حکمتوں کے ساتھ یہ عطا کرتا ہے کہ جس بندے کو چاہے
دے دے۔ خطر کے لیے کہا: اَتَيْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ

مِنْ لَدُنَّا عَلَمًا ۚ (سورہ کہف آیت ۶۵)

”علمِ معصوم“ ہم نے اُس کو اپنی عنایت سے علم دیا، خُضر کو علم دیا۔ اور خُضر گرتی ہوتی دیوار بناتے رہے، موٹی کھجھوک لگتی رہی موٹی کہتے رہے، اگر مزدوری کر لیتے تو کچھ کھانے کو مل جاتا، اور سینے کو نقصان پہنچاتے رہے سینے میں سوراخ کر دیا تاکہ دُوب جائے، بچے کو قتل کر دیا، نبیِ اولوالعزم نے کہا اب میں ساتھ نہیں دوں گا۔ خُضر نے کہا میں پہلے ہی کہہ رہا تھا۔ ذٰلِکْ تَاوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِیْعْ عَلَیْهِ صَبْرًا ۝ (سورہ کہف آیت ۶۸) کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ صرف مصیبت میں صبر نہیں ہے علم کی حیرانی میں بھی صبر ہے۔

اللہ نے خضرؑ کے علاوہ ایک بندے کو علم دیا۔ حضرت سلیمانؑ نے بھرے دربار میں پوچھا: کوئی ہے جو مملکت سبا کا تخت میرے پاس پہنچا دے؟
”قَالَ عِفْرِیْتُ مِنَ الْاَیَّتِیْنَ اَنَا اَتِیْتُكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ
مِنْ مَّقَامِکَ ؕ وَاِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیُّ اٰمِیْنٌ ؕ“ (سورہ غل آیت ۳۹)

”جنتوں میں سے ایک عفریت (دیو) نے کہا میں اُس کو آپ کے پاس
آپ کے دربار چھوڑنے سے پہلے لے آؤں گا، اور بیشک میں اِس
پر قوت والا امانتدار ہوں۔“ سلیمان چپ ہو گئے۔

”قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ
قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ (٣٠)“

اُس نے کہا جس کے پاس بعض کتاب کا علم تھا۔ میں اتنی دیر میں لاؤں گا کہ جتنی دیر میں آپ کی پلک جھپکے ۔۔۔ کس نے کہا ؟ اُس نے کہا جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا اور نبیؐ کی رسالت پر ڈو گواہ بنا ئے ۔ ایک اللہ

اور دوسرا وہ جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔ ہم علم کے موضوع پر گفتگو کر رہے ہیں اور علم کا موضوع یوں بھی بہت خشک ہے اور پھر اداق بھی ہے لیکن محبت کبھی کبھی اس موضوع کو اتنا آسان کر دیتی ہے کہ اللہ نے علم دیا تو دیکھ کے دیا اور علم کیا ہے قرآن ہے اور نبی کو علم دیا تو یہ سمجھ کے کہ کہیں کوئی شکایت نہ کرے کہ گھر والوں کو کیوں دیا۔ اس لیے ”برأت“ کی آیتیں دیکر کہا۔ تم لے جاؤ ان آیات کو۔ تھوڑی دور نہ گئے تھے کہ ارشاد ہوا: اَجِیْب! تم جاؤ یا وہ جائے جو تم سے ہو۔ ”یہ علم معصوم کی منزل ہے۔ یہ نہیں کہ نبیؐ نے معاذ اللہ غلطی کی، نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے زبانیں بند کر دیں۔ دیکھا آپ نے محبت ایسی مشکل موضوع کو کبھی آسان بنا دیتی ہے۔

سمجھ میں آجاتا ہے۔ موضوع، یہی وہ منزل ہے جہاں ختمی مرتبت کی بارگاہ میں کبھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ پہلے عتاب آیا، نہیں عمل پیغمبر حجت پیغمبر ہے۔ کبھی آپ یہ نہ کہیں کہ ذرہ نوازی یہاں تک تھی علم تو دیا ہی تھا، ارے آیتیں ہی کم از کم مل جاتیں، کہا آیتیں لے جاؤ مگر حکم ہوا واپس بلاؤ!! یہ علم کی منزل ہے۔ ”مباہلہ“ — مباہلہ کی منزل علم کی منزل ہے۔ آیت آپ کو یاد ہے۔

”فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا
وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ
تَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَذِبِ بَيْنَهُ“ (سورہ آل عمران آیت ۱)

”علم آجانے کے بعد اے رسولؐ اگر کوئی حجت کرے تو اب تلوار کی ضرورت نہیں۔ تو اب اپنے بیٹوں کو لاؤ، اپنی عورتوں کو لاؤ، لاؤ اپنے نفسوں کو، اب لاؤ رسولؐ تاکہ دنیا جان لے کہ آئینہ یہ ہیں۔

مباہلہ میں لائے اس لیے تاکہ علم کے آئینے سمجھ میں آئیں۔ یہ دو مقام یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ سورہ توبہ (برأت) کی ابتدائی آیات اور سورہ آل عمران کی یہ آیات، 'اس کو آیہ مباہلہ کہتے ہیں اس میں علم پر گفتگو ہے۔' "علم کے آجانے کے بعد اگر پھر بھی کوئی حجت کرے۔" یہ نہیں کہ تم بحث کرو۔ دیکھیے یہ عجیب علم ہے علم کے معنی یہ ہیں کہ آدمی بحث کرے لیکن نہیں — علم آگیا، لاؤ بیٹوں کو..... اب علم آگیا تو اسے حشیں چلو کر بلا چلو، کر بلا کو آپ سمجھ رہے ہیں علم آگیا، بچوں کو لے کر چلو، بیبیاں بھی ساتھ ہوں، نفس بھی ساتھ ہوں۔

مباہلہ میں حشیں کے نانانے کہا تھا ہم جھوٹوں پر لعنت قرار دیں گے نانانے کا ذہن کو پہنچوایا حشیں تم ظالمین کو پہنچو او — "ظلم کرنے والے کون ہیں۔" ؟

حشیں بھاگ کر رہے کرہنچے، اس طرح کہ بچپن کا ایک ایک واقعہ جیسے حشیں کو یاد ہے اسی شان سے تقسیم کر دی، تم ادھر ہم ادھر اور ادھر نوں محرم کو طے کر لیا کون کہاں ہے اور پھر ایک رات کی مہلت دیدی، تاکہ کوئی رات بھر تڑپے اور رات بھر تڑپ کے صبح کی اذان کے بعد ادھر سے گھوڑے کو ایڑوں کا کر چلے، دونوں فوجوں کے درمیان اترے یک بہ یک ہاتھوں کو پیچھے سے بندھوائے، سر کو جھکائے ہوئے خڑچلا۔ !

استقبال کے لیے حشیں چلے، فرزندِ رسولؐ! یہ آپ کی مہلت ایک رات کی، یہ علم معصوم ہے معصوم ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ کا یہ فیصلہ علم تھا اب محرم کا چاند نکلتا ہے تو دشمن راتوں میں بہت سے خڑ آتے ہیں اور باطل کا راستہ چھوڑ کر آتے ہیں۔ فرزندِ رسولؐ! ہم کو معاف کر دیجیے، مولا قیامت تک خڑ آتے رہیں گے۔

حُرّ آئے — اور یہاں بیبیوں کی ہمت بڑھ گئی کہ فوج کا سردار آگیا۔ اور آتے ہی کہا: مولا! اس شرط پر آیا ہوں کہ آپ کے لشکر سے میرے علاوہ کوئی پہلے نہ جائے۔ مولا نہ کسی ناصر کو جانے دوں گا نہ کسی عزیز کو جانے دوں گا۔ مولا پہلے میں جاؤں گا۔

حسین نے فرمایا: تو میرا مہمان ہے، مہمان کو کیسے بھجوں۔

حُرّ نے رو کر کہا "آپ بھی تو مہمان ہیں۔"

بیٹے کو ساتھ لیا، غلام کو ساتھ لیا، لشکر میں پہنچا، مبارز طلبی کی، مشہور رجز ہے حُرّ کا، اور اس کے بعد گھوڑے سے گرتے ہوئے آواز دی فرزندِ رسول! خدا حافظ۔ یہ پہلی آواز ہے جو میدان سے آئی ہے۔

جب حسین حُرّ کی لاش پر پہنچ گئے۔

حُرّ نے مسکرا کر کہا، مولا! آپ مجھ سے راضی ہو گئے۔ میں نے آپ کا راستہ روکا تھا۔ مولا — !

کہا — حُرّ! میں راضی، میرے جد راضی، میرا خدا راضی۔

ایسے میں حسین نے دیکھا کہ اضطراب کے عالم میں حُرّ اپنا سیدھا ہاتھ بار بار سر کے زخم پر رکھ رہے ہیں۔

مولانا پوچھا: حُرّ! سر میں بہت درد ہے۔ حُرّ نے کہا: مولا! قیامت کا وار تھا نیزے کی اتنی پیشانی کے پار ہو گئی ہے۔

اتنا سنا تھا کہ حسین نے کہا: حُرّ قیامت تک کے لیے ایک دولت دیتا ہوں۔

یہ کہہ کر جیب سے خاتمہ زہر کا رومال نکالا اور حُرّ کے سر پر باندھ دیا۔



مجلہ پنجم

- ۱۔ قرآن اور بیان دونوں علم ہیں۔
- ۲۔ صحیح مسلم میں فضائل علی علیہ السلام۔
- ۳۔ بخاری نے کتاب العلم میں حدیث قرطاس کو لکھا۔
- ۴۔ نبیؐ لکھے تو وہ بھی علم ہے۔
- ۵۔ قرآن میں قرطاس کا ذکر ہے۔
- ۶۔ علم کا انکار سب بڑا ظلم ہے۔
- ۷۔ آدمؑ تا عیسیٰؑ ہر نبیؑ کا علم لیکن شہر علم ایک ہے اور باب العلم بھی ایک ہے۔
- ۸۔ حضرت فاطمہ زہراءؑ کا علم۔
- ۹۔ شہادت حضرت علی اکبر علیہ السلام۔

عشرہ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء
بمقام نشریہ

۱۲ مارچ

۵ محرم

پانچویں تقریر

سورہ نساہ کی جس آیت کی تلاوت کی جا رہی ہے بہ اعتبارِ وقت یہی طے پایا کہ اُس کے آخری حصے کو آپ کے سامنے پڑھا جائے۔ پوری آیات آپ سلسلے سے رہے کہ کس کس نبی پر ہم نے وحی کو نازل کیا اور اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ یہ سلسلہ رسولوں کا اس لیے رہا کہ بندوں کی کوئی حجت اللہ پر باقی نہ رہے کہ اس کی طرف سے ہدایت میں کمی رہی۔ اور اے حبیب! ہم نے جب تجھ پر وحی نازل کی تو ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ وحی ہمارا علم ہے اور اس علم کے ساتھ ہم نے وحی کو نازل کیا اور ملائکہ بھی شہادت دیتے ہیں اور گواہی کے لیے تو خدا کافی ہے۔

پانچویں تقریر میں سلسلہ کلام اب اس منزل تک پہنچ چکا ہے کہ جہاں ہم اپنی گذشتہ کسی تقریر سے تسلسل کی فکر نہیں رکھتے، بلکہ چند بنیادی امور پر گفتگو کرتے ہوئے ہم "علمِ معصوم" پر فکر کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ جان لیجیے کہ کائنات میں موجودات میں، عالمِ تکوین میں نہ کسی نے یہ دعویٰ کیا اور نہ کسی سے یہ دعویٰ ممکن ہے کہ اس کا ربط اُس کے خالق سے ہے۔ سارے عالمِ تکوین میں اگر کسی نے یہ دعویٰ بھی کیا تو یا تو انقار کا دعویٰ کیا یا الہام کا دعویٰ کیا یا یہ دعویٰ کیا کہ مجھے ایک آواز آتی ہے مگر مسلسل نگاہِ الہی میں رہنا اور مسلسل نگاہِ الہی میں تربیت پانا، مسلسل تابعِ وحیِ ربانی رہنا صرف ایک انسان کی تقدیر ہے اور وہ انسان آپ کے لیے اور کلمہ پڑھنے والوں کے لیے یقیناً نیا نہیں، لیکن جب اس منزل پر اُس انسان کو دیکھا جاتا ہے تو بہت سے دلوں میں شبہات پیدا ہونے لگتے ہیں کہ کیا واقعی ایسا ہوگا ؟

صورتِ حال یہ ہے کہ وہ انسان اس مرتبہ کمال پر فائز ہے کہ جس کے نام کا آپ کلمہ پڑھ رہے ہیں اور جس مرتبہ کمال کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اُس انسان میں خواہشِ نفسانی نہیں ہے، خواہشِ ذاتی نہیں ہے، اس کو اپنی آپِ منفعت کی فکر نہیں ہے اور اگر بحیثیت انسان وہ کوئی خواہش بھی رکھتا ہے، کیونکہ لازماً انسانیت خواہش ہے تو چونکہ اُس کی انسانیت "انسانیتِ عظمیٰ" ہے اس لیے اس کی خواہش، خواہشِ لاہوتی ہے، اور اس لاہوتی خواہش کے معنی یہ ہیں کہ اگر وہ اپنی مرضی سے کوئی فعل انجام دے تو ذاتِ واجب نے یہ طے کر لیا ہے کہ تم جو بھی عمل کرو گے ہم راضی ہیں، کسی اور بندے کو یہ مجاز نہیں اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ کام کر کے ہماری طرف منسوب کر دے کہ خدا راضی ہے، لیکن بجز تمہارے کوئی اور نہیں کہہ سکتا، اس لیے کہ انسان کی انسانیت اُس کا ناطقہ ہے یعنی اُس کا ناطقہ انسان کی انسانیت ہے کہ انسان ناطقہ سے پہچانا جاتا ہے: تَكَلَّمُوا تُعْرِفُوا یعنی بات کرو اور پہچانے جاؤ، جملہ زبان سے نکلے اور آدمی آدمی کو پہچان لے، تو اس قوتِ ناطقہ پر محیط ہو کہ وحی نے یہ کہا کہ: "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۚ (سُورَةُ النَّحْلِ ١٨: ٢١)" یعنی یہاں قوتِ ناطقہ میں ہوی نہیں ہے، ہوس نہیں ہے، وہ وحیِ ربانی ہے یعنی وہ بات کرے اور وہ وحی ہے، وحی کی منزل تو یہ تھی، کبھی مسجد میں آئے، کبھی جنگ میں آئے، کبھی غارِ حرا میں آئے، کبھی منزلِ احزاب میں آئے، کبھی ہجرت کے موقع پر آئے، تیس سال کے طویل عرصے میں چھ ہزار دو سو باسٹھ آیتیں نکل چکی ہیں، مگر اس کے علاوہ جو کچھ بھی کہا اور جو بھی گفتگو کی، قرآن نے کبھی یہ کہہ کر انکار نہیں کیا یا استثناء قائم نہیں کیا کہ جب تک ہم کہتے رہیں وحی ہے اور جب تک تم کہتے رہو گے وہ تمہاری اپنی بات ہے، بلکہ قرآن نے اگر وحی کو قرآن کہا تو زبانِ نبی کو "بیان" کہا، کیونکہ

بغیر بیان کے قرآن سمجھ میں نہیں آتا، اس لیے ہاں اے نبی! حق پہنچتا ہے تم کو کہ تم اسی طرح پہنچائے جاؤ مگر ہاں یہ بھی ہماری طرف سے اعلان کر دو کہ جو تم بیان کر رہے ہو یعنی جو کچھ تم تفصیل دے رہے ہو وہ بھی علم ہے، معصوم کا علم ہے جیسے رحمن نے علم دیا انسان کو خلق کیا اور اس کو بیان کا بھی علم دیا۔

”الرَّحْمَنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۚ خَلَقَ الْإِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ

الْبَيَانَ ۚ “ (سُورَةُ الرَّحْمَنِ آیت ۴ تا ۵)

بیان کا علم دیا، اب نبی کا قرآن ہو نبی کا بیان، دونوں علم الہی ہیں، قرآن کی قسم سوچیے اور اپنے اپنے دلوں کو جھنجھوڑ کر ایک مرتبہ چونکا نے کی کوشش کیجیے کہ کس مقام رفیع پر خاتم فائز ہے کہ جہاں نبی کی حرکت، نبی کا کلام، نبی کا بیان، نبی کا سکوت، نبی کی گویائی، نبی کی جنگ، نبی کی صلح، ہر امر نبی ذات واجب سے منسوب ہو جائے، اور اب ایسا نبی اگر زمانے کے لامتناہی سلسلے میں اپنی ہدایت کی سطح کو باقی رکھنا چاہے تو وہ کون سے افراد آئیں گے جہاں ہر عمل اللہ کی طرف منسوب ہو جائے۔

دیکھیے! تاریخ میں سب سے بڑی یہی حیرانی رہی کہ بعدِ پیغمبر! اس سطح کو کیسے برقرار رکھا جائے؟ چنانچہ ہر ایک نے کوشش کی اور اپنی امکاں کوشش سے اسلام کو بھی سچانے کی کوشش کی، زہد و تقویٰ کو بھی دکھلانے کی کوشش کی، عبادتوں کی بھی کوشش کی اور کچھ کم رہ گئی تھی بندگی تو عبادتوں میں اضافہ بھی کر دیا اور بت لایا کہ جتنی کوشش ہم سے ہو سکتی ہے ہم برابر کریں گے، مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانی سطح کچھ اور ہے، نبوت کی منزل کچھ اور ہے، اس منزل سے اس سطح کو قائم کرنا نہ میرا کام ہے نہ آپ کا کام ہے، نہ شاہوں کا کام ہے، کسی کا کام نہیں ہے، اب جو اللہ چاہے اور جس طرح چاہے۔

سعد ابن ابی وقاص صحابہ میں سے ہیں اور سلسل روایتوں میں اس بزرگ کا نام لیا جاتا ہے۔ بڑی محترم ہستی ہے، ان کے ہی اولاد میں وہ بیٹا ہے عمر سعد جو شکرے کے کربلا آیا تھا۔ سعد ابن ابی وقاص مدینے میں تشریف فرما تھے کہ معاویہ ابن ابی سفیان شام کے حکمران نے ان کو طلب کیا اور کہا کہ: اے سعد ابن ابی وقاص! میں سُنتا ہوں کہ تم علیؑ کو بُرا نہیں کہتے ہو۔ یہ روایت ”صحیح مسلم“ جو کراچی میں چھپی ہے، اُس کی ٹھٹی جلد میں موجود ہے۔ سعد ابن ابی وقاص نے جواب دیا۔ معاویہ! میں نے اللہ کے رسولؐ کی زبان سے علیؑ کے لیے مین ایسے جملے سنے ہیں کہ اگر ساری دنیا کی حکومت کوئی مجھ سے لے کر وہ تین صفات مجھے دیدے تو میں اُس کو اپنے لیے دنیا کا سب سے بڑا سرمایہ سمجھوں گا۔“

ایک صحابی روایت کر رہا ہے اور ایک صحابی سن رہا ہے، سلطنت کی سطح پر گفتگو ہو رہی ہے۔ معاویہ دورے پر ہے، سعد نے کہا کہ پہلی بات کو خود میں نے اپنے کان سے سنا کہ: ”ایک مرتبہ جنگ میں حضرت رسول خداؐ اپنے ساتھ نہیں لے گئے تو علیؑ افسردہ ہو گئے اور کہا کہ یہ آپ مدینے کی نگرانی میرے حوالے کیوں کر رہے ہیں؟“ رسول خداؐ نے کہا کہ:

”أَنْتَ مَتْنِي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِي“ (صحیح مسلم)

”تمہاری منزلت میرے ساتھ وہ ہے جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی مگر یہ کہ بلاشبہ میرے بعد نبوت نہیں ہے۔“

• دوسرے میں نے اپنے کان سے سنا کہ رسولؐ نے فرمایا:

”لَا أُعْطِيَنَّ الرَّأْيَةَ رَجُلًا“ (صحیح مسلم) يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

وَيُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (صحیح مسلم)

”کل میں سلم مرد کو دوں گا، خدا اور اس کا رسول اُس کو دوست رکھتے

ہیں، اور وہ خدا کو اور اُس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔“

یہ دو باتیں تو آپ سن چکے اور اب روایت کا تیسرا حصہ یقیناً میرے لیے دلچسپ ہے، سعد نے کہا: اے معاویہ! خدا کی قسم جب نصاریٰ بخران آتے اور وہ آیت نازل ہوتی جس میں علم کا تذکرہ تھا کہ:

”فَمَنْ جَاءَكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ

نِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ فَتَنْزِيلُ فَفَجَعَلُ

لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَذِبِينَ ۝ (سورۃ آل عمران آیت ۶۱)

تو میں نے ذاتِ رسول کو دیکھا کہ آپ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو اپنے

نزدیک جمع کر کے آسمان کی طرف سر کو بلند کیا اور کہا کہ:

”اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي“ (صحیح مسلم)

”اے اللہ! یہ ہیں میرے گھر والے“

میں چاہتا تھا کہ سطحِ ذہنی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ ہی تک پہنچنے کی کوشش

کرو اور تین باتیں یاد رہیں تو اس وقت معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کے حکم سے کس

سطح کو باقی رکھا گیا تھا اور اس طرح سے اس علم کو آگے بڑھایا گیا۔

ایک بات سمجھنے والی یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں عموماً علم کی بحث سے

کتاب کو شروع کیا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ”اصول کافی“ کو کتابِ العقل

سے شروع کیا اور دوسرا ”باب العلم“ ہے۔ ہماری ایک اور کتاب ”بجاء الانوار“

وہ بھی اسی طرح سے شروع ہوئی۔ یعنی ”کتاب العقل“ اور بعد میں ”کتاب العلم“

مگر ”صحیح بخاری“ کو ”کتاب الوحی“ سے شروع کیا اور بعد میں ”کتاب العلم“ ہے
 ”صحیح مسلم“ میں البتہ آخر میں ”کتاب العلم“ کے باب کو قائم کیا، شروع کیا اس
 منزل سے کہ کوئی نبی پر جھوٹ نہ بولے اور اس کے بعد آخر میں ”کتاب العلم“ کو قائم کیا
 مجھے بے انتہا دلچسپی ہے اور قلبی لگاؤ ہے اور میں اس عظمت کو دیکھتا ہوں جو عظمت
 محمد ابن اسماعیل بخاری نے پائی ہے اور یہ کتاب محترم ہے اور اس کتاب کا احترام
 کرتے ہوئے جب میں نے اُس کے باب ”کتاب العلم“ کو دیکھا تو اب تک میری کچھ
 میں یہ بات نہیں آئی کہ محمد ابن اسماعیل بخاری نے ”کتاب العلم“ میں ”حدیث قرطاس“
 کو کیوں لکھا کہ ”لاؤ کاغذ لاؤ میں کچھ لکھ دوں گا۔“ یہ حدیث ”کتاب العلم“ میں ہے
 یعنی نبی بولے تو علم ہے اور لکھے تو بھی علم ہے۔ یہ حدیث ”کتاب العلم“ میں ہے
 اور اس کا عنوان بھی یہی ہے کہ پیغمبر نے کاغذ طلب کیا اور کہا کہ لاؤ میں کچھ لکھ دوں
 اب یہ اور بات ہے کہ زحمتوں سے ختمی مرتبت کو بچایا گیا، یہ اور بات ہے کہ یہ مناسبت
 جانا گیا کہ اب آپ زحمت نہ کریں۔ آپ کے دل کی کیفیت سے ہم غدیہ میں ہی آگاہ
 ہو گئے تھے، سب کو معلوم ہے، چھپی ہوئی بات کیا تھی، وہاں اتنی شدت کے ساتھ
 جب یہ کہا گیا ہو کہ اگر میں انسانیت میں ایک ایسی منزل رکھتا ہوں کہ جس منزل پر تم
 تمہارے آباؤ اولین، تمہارے مشائخ عظام، تمہارے بزرگ، جس جس کو تم
 نسلِ آدم تک اور آدم کے سلسلے سے خاتم تک پہنچنا ناچاہتے ہو وہ کوئی بھی میری
 منزلت تک نہیں پہنچ سکتا، میرے مقام کو دیکھو کہ میرا مقام کیا ہے۔ ارے خدا
 تو قرآن میں کہتا ہے کہ:-

”التَّبٰی اَوَّلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (سُورَةُ الاحزاب آیت ۶)
 ”نبی صاحبانِ ایمان کے نفوس سے زیادہ اولیٰ ہے۔“ یعنی آپ کو اپنے
 نفس پر اختیار نہیں ہے جتنا نبی کو آپ کے نفس پر اختیار ہے۔ اس کو سمجھنے کی

کوشش کیجیے کہ انسان کو مقام کیا ملا ہے۔ کیا کسی بادشاہ کو یہ مقام مل گیا ہے کسی سلطان کو یہ مقام ملا ہے کسی سلطنتِ عظمیٰ کو یہ مقام ملا کہ آپ کا مال آپ کا نہیں ہے، اگر نبی کہہ دے، آپ کی جاگیر آپ کی نہیں ہے، اگر نبی کہہ دے آپ کی جاگیر آپ کی نہیں ہے، اگر نبی کہہ دے کہ اولاد آپ کی نہیں ہے، اگر نبی اُبُوْت سے انکار کر دے، باپ، باپ نہیں ہے، اگر نبی اُبُوْت سے انکار کر دے۔ بھائی، بھائی نہیں ہے اگر نبی اُخُوْت سے انکار کر دے۔ بیوی، بیوی نہیں ہے اگر نبی زَوْجیت سے انکار کر دے، یعنی نفس پر اتنا تصرف ایک انسان کو دیا اور اب دنیا اس درجے تک کیا پہنچے۔ دل ایک وجد کے عالم میں ان مقاماتِ معرفت کی طرف جانا چاہتا ہے جہاں سرکارِ دو عالم کی ذاتِ گرامی اس طرح سے سمجھ میں آئی ہے کہ فقط اُس دن نہیں ہے، آج بھی وہی تصرف ہے۔ یعنی بَعْلُوْت ختم کر دے، اُبُوْت ختم کر دے، زَوْجیت ختم کر دے، اُخُوْت ختم کر دے، اُمُوْت یعنی ماں ہونا ختم کر دے، یعنی سارے رشتے کاٹ دے کہ تم اس کے اہل نہیں ہو، کیا کسی سلطنت کی مجال ہے، مگر صرف نبی کہہ دے کہ یہ مال تمہارا نہیں ہے، اب نہیں ہے، تو ایسے تصرف کے بعد فقط یہی نہیں کہ قرآن کہے، بلکہ پوچھ بھی لیا کہ: اَلَسْتُ اُولٰٓئِیْ بِكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ”کیا میں تم لوگوں پر خود تمہارے نفسوں سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا؟“ جمع نے یک زبان ہو کر کہا، بیشک آپ کو ہم پریم سے زیادہ اختیار ہے۔ سب نے کہا ہاں قَالُوْا بَلٰی، اور اب اس کے بعد دنیا جان رہی تھی اور سارا مجمع جان رہا تھا اور یہی سعد ابن ابی وقاص نے روایت کی ہے اور اس کے بعد کی ایک دوسری حدیث ہے ”باب فضائل علی“ میں کہ سعد ابن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ: ”ایک دن مجھے یاد ہے کہ میں نے رسول کو کہتے سنا کہ پوچھتے ہیں کہ میں تمہارے نفوس سے اولیٰ ہوں کہ نہیں؟“

سارے لوگوں کو یاد تھا اور کچھ دن زیادہ نہیں گزرے تھے یعنی ذی الحجہ اور اس کے بعد صرف ایک مہینہ درمیان کا یعنی محرم کا مہینہ اور اب کہتے ہیں کہ لاؤ لکھ دوں، ہم سمجھتے ہیں کہ کس وجہ سے زحمتوں سے بچا یا گیا۔ لیکن قرآن میں خدا فرما رہا ہے کہ:

”وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قُرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ
بِأَيْدِيهِمْ لَقَالُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا
سِحْرٌ مُّبِيْنٌ“ (سورۃ الانعام آیت ۷)

(اے رسول!) اور اگر ہم تجھ پر قرطاس (کاغذ) پر تحریر کردہ کتاب (اس قرآن کے بجائے) نازل کر دیتے جسے وہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا (کافر) یہی کہتے کہ بیشک یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔“

یعنی یہ رسول کی حدیث کے لیے نہیں بلکہ قرآن کے لیے ہے لوگوں نے "حدیث قرطاس" کے متعلق یہ اعتراض پیش کیا تھا کہ کاغذ اس وقت بنا ہی کب تھا جو لکھتے تو قرآن سے پوچھیے کہ یہ کاغذ قرآن میں کب سے تھا۔ تو اے نبی! جب ہمارے لکھے ہوئے کو یہ سحر مبین کہتے ہیں تو اچھا ہے کہ تم کو لکھنا ہی نہ آئے، اچھا ہے کہ تم اُمتی ہی رہو، تاکہ دنیا کہے کہ لکھنا پڑھنا ہی نہیں آتا، لکھنا شروع کرتے تو کیا حشر ہوتا۔ آپ نے دیکھا کہ علم اگرچہ بالقلم ہے مگر پہلی وحی کے باوجود کہ لکھنا پڑے، یعنی:

”اِقْرَا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَا وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝“ (سورۃ العلق آیت ۱ تا ۵)

اگر علم حاصل کرنا ہے تو لکھنا پڑے گا، اور جب وحی کا سلسلہ ختم ہو رہا تھا

(۷۶)

تو لکھنے کے لیے آیا، چاہا کہ رشتہ علم ٹوٹے مگر قدرتِ الہی نے یہ طے کر لیا تھا کہ چونکہ سلسلہ عصمت میں "علم لدنی" جائے گا اس لیے علم کو بند کرو، فک کو لے لینے دو، مگر "سَلُونِی" کو کیا کر گئے۔

عزیزانِ گرامی! یہ وہ منزل ہے کہ جہاں بڑی تفصیل کے ساتھ اور بڑی صراحت کے ساتھ دنیا سمجھ گئی اور دنیا کو سمجھنا چاہیے کہ ہم ماضی کے جس واقعے سے متاثر ہیں وہ یہی واقعہ ہے کہ علم الہی مسلسل کیسے رہا، سلطنتیں آئیں اور گئیں حکومتیں بنیں اور ٹھیں، ظلم ہوا اور صبر کیا گیا، مگر سلسلہ علم باقی ہے کہ جس کو "علمِ معصوم" کہتے ہیں، سورہٴ عنکبوت میں ارشاد ہوا:

”بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ
وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ“ (سورہٴ عنکبوت آیت ۲۹)

یہ نشانیاں کاغذ پر نہیں بلکہ یہ آیات صاحبانِ علم کے سینوں میں ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر ظالم۔

دیکھیے ظلم یہ نہیں کہ تیر مارے، ظلم یہ نہیں کہ شمشیر چلائے، ظلم یہ نہیں کہ نوک سناں سے کسی کا جگر چھیدے، سب سے بڑا ظلم انکارِ علم ہے اور ظلم صریح یہ ہے کہ اگر کسی کو کسی کرسی سے ہٹایا جائے تو بعد میں بیٹھنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ دیکھیے یہ جگہ پُر ہوئی کہ نہیں، الا مقامِ علم کے کہ اگر کسی کو کوئی مقامِ علم سے ہٹانا چاہے تو اوّل تو ہٹا نہیں سکتا اور اگر جبر و استبداد اور بادشاہوں کی چشم و ابرو کی گردشوں پر چلنے والے قلم اگر تاریخ کے دھارے کو مختلف صورتوں سے بدلتے جاتیں تو تب بھی جو مقامِ علم کا ہے وہ رہے گا چاہے کوئی کھر لکی بنے، کوئی چھت بنے یا کوئی زمین بنے، لیکن دروازہ اپنی جگہ پر ہے، تو یہ مقامِ علمِ معصوم ہے۔ وہی دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں ہوں شہرِ علم، اولین و آخرین میں کسی اولوالعزم

نبیؑ نے یہ نہیں کہا کہ میں شہرِ علم ہوں، حالانکہ ہر نبیؑ کے لیے علم ہے، آدمؑ سے لے کر عیسیٰؑ تک۔ آدمؑ کے علم کے لیے پہلی آیت علم کے متعلق ہے :-
 ”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ (سُورَةُ الْبَقَرَةِ آیت ۳۱)

”اور ہم نے آدمؑ کو تمام اسماء کا علم تعلیم کیا۔“
 اور عیسیٰؑ تک علم کا وہی بار بار تذکرہ کیا، یہاں تک کہ عیسیٰؑ کیلئے کہا:
 ”يَعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ
 وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ فَكَلَّمَ
 النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۖ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ
 وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ“ (سُورَةُ مَائِدَةِ آیت ۱۱۰)
 ”اے مریم کے بیٹے عیسیٰؑ یاد کرو ہماری نعمتوں کو جو ہم نے تمہاری طرف مبذول
 کر دی تھیں جب کہ ہم نے تمہاری تائید کی روح القدس سے، جب تک تم گہوارے
 میں باتیں کیا کرتے تھے اور درمیانی عمر میں بھی، اور جب ہم نے تم کو علم
 دیا کتاب کا، حکمت کا، تورات کا اور انجیل کا۔“

نبیؑ بغیر علم نہیں، یعنی آدمؑ سے لیکر عیسیٰؑ تک علم کا تذکرہ کیا گیا
 اب نبوتیں جو کہ فروغی تھیں وہ ختم ہوئیں اور اب وہ آیا کہ جس پر نبوت کو ناز ہے کہ
 جس پر خاتمیت کو ناز ہے وہ آیا کہ جو سلسلہ علم کے آخر میں آیا، سارے انبیاء
 کے لیے کہا کہ: ”وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمِنَا غَالِبِينَ“
 ”اور ہم نے ان کو چنا جان بوجھ کر تمام عالمین پر“ (سُورَةُ دُخَانِ آیت ۳۲)

یعنی ان کو جو اختیار کیا تو مسلم کی وجہ سے اختیار کیا۔ ہم نے مومن کو علم
 دیا، ہم نے داؤد کو علم دیا۔ ”وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ“ اور ہم نے
 (داؤدؑ کو) زرہ بنانے کا علم دیا۔“ (سُورَةُ انْبِيَاءِ آیت ۸۰)

ہر نبی کو علم دیا گیا اور جب خاتے پر انسانیتِ عظمیٰ کا وہ علم دار آیا تو اس کو حق ملا کہ جو خواہشِ نفس سے بات نہ کرے۔ آدمؑ نے علمِ آسمان پڑھنے کے باوجود یہ نہیں کہا کہ ”اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ“

نوحؑ کو علوم دیے اور ایسے علوم دیے کہ یہاں تک کہا:

”وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا“ (سورہ ہود آیت ۳۷)

”اور کشتی بناؤ ہماری نگاہوں کے سامنے“۔ یعنی کشتی بنے گی تو میری نگاہوں کے سامنے بنے گی۔ ہم دیکھیں گے، ہم نگرانی کریں گے۔ اتنی نگرانی کی نوحؑ کی گمراہیوں نے بھی یہ نہیں کہا: ”اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ“

ابراہیمؑ کو علم دیا:۔ (سورہ الانعام آیت ۸۳) میں ہے:

”وَرَتَّلْكَ مُحْتَسِنًا اَتَيْنَا اِبْرَاهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهِ طَنَزُفَعٌ
وَدَجَّتْ مِنْ تَشَاءٍ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ“ ۸۳

”اور ہم نے ابراہیمؑ کو جتنیں عطا کی تھیں اُس کی قوم کے خلاف۔ ہم جس کے درجے کو چاہیں بڑھا دیتے ہیں۔ بیشک تیرا پروردگار تو حکمت والا جاننے والا ہے۔“

مگر ابراہیمؑ جیسے خلیل نے یہ نہیں کہا کہ: ”اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ“
موسیٰؑ کو علم دیا، مگر موسیٰؑ کی مجال نہ تھی جو یہ کہے ”اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ“
عیسیٰؑ کو تورات کا، انجیل کا کتاب کا علم دیا، مگر عیسیٰؑ نہ کہہ سکے کہ:
”اَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ“۔ یہ کیوں نہ کہہ سکے، یہ انبیاء کیوں نہ کہہ سکے؟
اس لیے نہیں کہہ سکے کہ کوئی ابھی تک دروازہ نہیں تھا۔

تو آپؐ نے دیکھا کہ جب تک سلسلہ قائم نہ ہو یہ کیسے کہہ دیں
کہ میں شہرِ علم ہوں، کوئی شہر تک جانے کا راستہ بھی تو بتائے اس لیے

سارے انبیاء کی زبان اس منزل پر بند تھی، کسی نے نہیں کہا، اور جس نے کہا تو اُس نے اس شان سے کہا کہ یہ شہر ہے اور یہ دروازہ ہے اور اگر اس حدیث میں کوئی وسعتیں پیدا کرے تو شوق سے پیدا کرے مگر یہاں صرف کہا نہیں گیا بلکہ جس کو اہل پایا اُس کو دروازہ بنایا۔ نہیں دروازہ اُس کو بنایا کہ دروازے پر کوئی پہنچے تو دنیا اعلان کر دے کہ کس صحیح منزل پہ پہنچا ہے، جو کچھ لینا ہے وہ یہیں سے لے گا۔ ملک اگر شہر پہ ایک مرتبہ آئیں گے تو دروازے پہ دو مرتبہ آئیں گے۔

تو اس ملک کویت کے ساتھ باب کہا اور اب "باب کے دعوے کو بہت ہو گئے اور ہر ایک یہ سمجھتا ہے کہ کہیں کسی منزل تک پہنچنے کے لیے باب چاہیے، مگر اندازہ نہیں کیا کہ یہ باب کس منزل پہ کہا ہے، اس منزل تک آئے جب کہ شہر سے دروازہ جدا نہیں ہے، یعنی:

"لِحُمَاكَ لِحُمِي يَا عَلِيُّ، ذُمَّكَ ذُمَّحِي يَا عَلِيُّ نَفْسُكَ نَفْسِي يَا عَلِيُّ"

اتنا اٹھلا پیدا کیا اور اس اتحاد کے بعد جب مقام علم سے یہ سلسلہ آگے بڑھا تو پھر نشان ہائے علم باقی رہے۔ اب وہ ذخیرہ جو رسول کا بیان ہے کہ جو مفسر قرآن ہے، باب مدینہ علم سے چلا اور اس سلسلے کی طرف ہم متوصل ہوئے۔ اب اگر کوئی اور اس سلسلے کی طرف آگے بڑھنا چاہے اور وہ یہ کہے کہ ہم نے کشف سے لے لیا، رسول کی مراد دلی کو کشف سے پالیا، مراقبہ سے پالیا، آنکھیں بند کیں اور دیکھ لیا تو علم سے کشف تو ممکن ہے مگر کشف سے علم کا پتہ نہیں چلتا۔ کشف کے معنی ہیں کھولنا، علم آئے تو شرح صدر ہو، اور اسی علم کو لیس کر معصوم چلا، سلسلہ عصمت میں وہ علم آیا اور

سلسلہ عصمت میں جب وہ علم آیا تو اب ایک ہی منزل، ادب کے حدود پیش نظر رہیں۔ نبوت عہدہ ہے، امامت عہدہ ہے، مگر ایک اور منزل ہے کہ جہاں عبرت کمال پر جا کر خود پہنچتی ہے یعنی ولایت کی منزل۔ یعنی جب عبدیت ترقی کرتی جاتی ہے تو ولایت کی منزل پر پہنچتی ہے، اور کبھی کبھی وہ منزل نبوت اور امامت سے اتنی نزدیک ہو جاتی ہے کہ سلسلہ علم معصوم میں فاطمہؑ زہراؑ بھی داخل ہو جاتی ہیں ہماری جانیں قربان فاطمہؑ زہراؑ پر، نام آیا اور اندازہ ہوا کہ کتنی باتیں تھیں، کبھی آپ بھی تنہائی میں سوچیں کہ فاطمہؑ زہراؑ سے کتنی حدیثیں مروی ہیں اور بھی لوگوں کو احادیث کو جمع کرنے کی، کی گئیں مگر شاید اسی سلسلہ تقاریر میں یہ تعمیری مرتبہ کہہ رہا ہوں کہ اقبال کے شاید بارہ دفتر اب تک شائع ہو چکے ہیں لیکن اقبال نے سوا فاطمہؑ زہراؑ کے کسی اور نبی کا نام نہیں لیا۔ وہ فاطمہؑ زہراؑ کے جن کو اسکا حق پہنچتا ہے کہ "بِضْعَةِ الرَّسُولِ"، ہو علم رسولؐ کے لیے ایک منزل ظہور بنے، علم رسولؐ کو ظاہر کیا اور جانتی ہیں کہ بابا کا علم حق ہے۔ بابا نے کیا کہا اور کیا نہیں کہا اس کے لیے معیار فاطمہؑ زہراؑ ہیں کوئی غیر نہیں، یعنی اہل بیت کے لیے غیر اہل بیت معیار نہیں ہیں بلکہ غیر اہل بیت کے لیے معیار ہیں، آپ اہل بیت کو صحابیت کے ساتھ میں نہ دیکھیے بلکہ جتنے بزرگان دین گذرے ہیں ان کے کلام کو اہل بیت کے میزان میں دیکھیے کہ کیا کہتے ہیں اہل بیت، اب اگر بیڑی یہ کہہ دے کہ میرے باپ نے نہیں کہا تو اب قیامت تک علماء کہتے جائیں کہ رسولؐ نے کہا تھا، فاطمہؑ زہراؑ کہتی ہیں جھوٹے ہیں، رسولؐ نے نہیں کہا، تو یہ علم کی منزل ہے۔ فاطمہؑ زہراؑ نے بتایا کہ میرا باپ قرآن کے خلاف کیسے کہہ سکتا تھا جب کہ قرآن کہہ رہا ہے کہ: وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ (سورہ نمل آیت ۱۶)

”اور سلیمان داؤد کے وارث ہیں۔“ میرا باپ کیسے کہہ سکتا ہے، جب قرآن

کہہ رہا ہے: ”فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۖ يَرِثُنِي وَ
يَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ“ (سُورَةُ الْمَرْيَمِ آيَت ۶)

(پروردگار) پس مجھے ایک ولی (بیٹا) اپنی جناب سے عطا فرما جو
میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو۔“ جب انبیاء کے وارث ہوئے
ہیں تو میرے باپ کا بھی کوئی وارث ہوگا اور ہے کوئی تم میں جو محمدؐ کو اپنا
باپ کہے۔

آج محرم کی پانچویں تاریخ ہے —

زہراءؑ کے لیے زہراءؑ کا علم وہ منزلت عطا کرتا ہے کہ پوچھتی ہیں
بابا! جب یہ میرا پتہ قتل ہوگا تو عالم عزت میں جب میں بھی نہ ہوں گی جب
اس کا باپ نہ رہے گا، جب اس کا بھائی نہ ہوگا، اُس وقت بابا اس کا کوئی
رونے والا بھی ہوگا، کوئی اس کا ماتم کرنے والا بھی ہوگا؟ رسول اللہؐ نے
فرمایا: ہاں، فاطمہ! خدا ایک قوم کو پیدا کرے گا جو تیرے بیٹے کا ماتم کریں گی
بتاؤ بیٹی تم اُس قوم کے لیے کیا کرو گی۔ یہ نصرت ہے کہ یہ نہیں کہا کہ میں
دعا کروں گی، بلکہ یہ کہا کہ بابا میں شفاعت کروں گی۔ . . . بابا! میں
بچائے جاؤں گی اپنے بچے کے رونے والوں کو۔ زہراءؑ رو رہی ہیں

محرم کی پانچویں تاریخ بھی ختم ہوئی، چھٹی شب آرہی ہے۔

آئیے بی بی! یہ ماتم دار جمع ہیں۔ آج چونکہ شہیدوں کی گفتگو شروع
ہوتی ہے۔ . . . اس لیے بی بی! آج ہم سے آگے پُرسہ لیجیے —
حیئن کے اٹھارہ برس کے لال کا پُرسہ لیجیے۔ کیا گزری ہوگی زہراءؑ پر جب یہ ہستی
ہو چکی آہستہ آہستہ کہ حیئن اس دن کے لیے چکی پس پس کے پالا تھا کہ اٹھارہ
برس کے لال کی میت اٹھاؤ۔ . . .



سَلَامُ

(علامہ رشید ترائی)

ہے یہی وقت ان کا دامن تھام لے
مرحبوں کے سر پہ ہے تیغِ علیؑ
ہے مئے حُبِ علیؑ کچھ تند و تیز
وہ علیؑ کی نیند ہے ہجرت کی رات
ہے ابوذرؓ سے ولا تو اپنے سر
کب ہے مشکل حق و باطل کی تمیز
بے مودت آدمی معذور ہے
آخر اس چوکھٹ پہ آنا ہے تجھے
دفنِ اصغر ہو گئے شہ نے کہا
عصرِ عاشور آئی آوازِ رسولؐ
قید خانے میں کوئی بچی ہے دفن

گرنے والے اب علیؑ کا نام لے
اپنا بدلہ صبح لے یا شام لے
خُمر بنے جو مستیوں سے کام لے
ہر نفس پر رب سے جو انعام لے
حق پرستی کا بھی اک الزام لے
کوئی کروٹ تو دل سے ناکام لے
جس طرح جو معنی اسلام لے
جانے والے یہ بھی اک پیغام لے
میرے بچے اب یہاں آرام لے
فاطمہؑ بازوئے زینبؑ تھام لے
اک امانت اور ملکِ شام لے

اے ترائی مفت ہے آپ حیات

موت کے ہاتھوں سے کوئی جام لے

مجلس ششم

- ۱- مذہب اور دینِ علم ہے۔
- ۲- ذاتِ محمدؐ مرکزِ علم ہے۔
- ۳- جعفری فقہ کے بغیر کسی کی فقہ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔
- ۴- آلِ محمدؐ محافظینِ علومِ دین ہیں۔
- ۵- علم و یقین۔
- ۶- مبادلہ مقامِ علم ہے۔
- ۷- دربارِ مامون الرشید میں حضرت امام علیؑ الرضا علیہ السلام کا ایک علمی استدلال۔
- ۸- کربلا کی لڑائی فقہ اور نماز پر نہیں تھی۔
- ۹- شہادتِ حضرت علیؑ اصغر علیہ السلام۔

عشرہ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء
بمقام نشر پارک

۶ محرم ————— ۱۵ مارچ

مجلسِ ششم

”علمِ معصوم“ کے عنوان پر آپ چھٹی تقریر سماعت فرما رہے ہیں۔ اگر آغازِ تقدیر میں میرے مولا کا ایک جملہ آپ کے ذہنوں میں رہے تو یقیناً آپ کی فکری ترقیوں کے لیے یہ جملہ ہمیشہ کے لیے ضامن رہے گا۔
مولا فرماتے ہیں:

”كُلُّ وَعَاءٍ يُضَيَّقُ بِمَا جُعِلَ فِيهِ إِلَّا وَعَاءُ الْعِلْمِ
فَإِنَّهُ يَتَّسِعُ بِهِ“
(نہج البلاغہ موضوعی ص ۸)

”ہر ظرف میں جب کوئی چیز ڈال دی جاتی ہے تو وہ ظرف بھر جاتا ہے اور وہ اپنی کوتاہی کا اعلان کرتا ہے۔ جب اس میں کوئی چیز بھر دی جاتی ہے، مگر یہ کہ علم کا ظرف۔ (سوائے علم کے ظرف کے) جیسے جیسے علم آتا جاتا ہے یہ ظرف اور پھیلتا جاتا ہے۔ تو آپ نے دیکھا کہ ہم اپنی کوتاہیوں میں، کمزوریوں میں، نادانیوں میں اور ناداریوں میں ہیں، آپ اور ہم سب ہمسفر ہیں، یہاں کسی کو مقامِ ناز نہیں ہے۔ جہالتوں کی کچھ حدیں معین ہیں کہ کون کتنا جاہل ہے؟ علم کی حدوں پر تو گفتگو ہی نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں ہماری رہبری وہ علمِ معصوم فرماتے کہ جس سے ہمارا ظرفِ قلب و فکر و شعور مسلسل وسعت پاتا جائے تو یقیناً نہ صرف آپ کی غفلت دور ہوگی بلکہ جہاں انسان فکری راہوں میں آتا ہے تو وہ صحیح ترین بنیادوں پر اپنے افکار کی عمارت قائم کر سکتا ہے۔ میں بنیادِ فکرِ اسطو نہیں چاہتا، میں بنیادِ فکرِ سقراط نہیں چاہتا، میں بنیادِ فکرِ افلاطون پر گفتگو

نہیں کرتا، میں حکمت مشرق و مغرب کے جاننے والوں کے افکار کو بنیاد نہیں بنانا چاہتا، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کے لیے فکرِ معصوم بنیاد بنے اور اس بنیاد پر اگر کوئی اپنے ظنون کو وسعت دینا چاہے تو پھر اُس طرف کو وہ دوسری قوموں کے سامنے گداگری کا کشکول نہ بنائے، بلکہ وہ طرف اس قابل ہوگا کہ آپ نکال نکال کے دوسری قوموں کو دیتے جائیں۔ ہمارے لیے وقت کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ کس کی تقلید کریں؟ کہاں سے کیا مانگیں؟ اور کس کے نظامِ حکمت پر چلیں؟ کس کے افکار کو بنیاد بنا کر اپنی راہ معین کریں؟ مگر اقبال کبھی کہہ چکے تھے: ہ

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو

مجھ کو تو گلا تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

تو اس غلامی پر رضامندی کی وجہ فقط یہی ہے کہ اپنی ذات سے بیخبری ہے، اپنے مقام سے بیخبری ہے، اپنے ارادوں سے بیخبری ہے۔ کلمہ صرف اِسما پڑھ رہے ہیں مگر یہ اندازہ نہیں ہے کہ یہ کس کا کلمہ ہے۔ اگر ذاتِ خاتمِ پُر اعتمادِ کامل ہو اور اگر اُن کے علم سے آپ اپنے ظنونِ قلب کو مسلو کرنا چاہیں تو اُس خزانے میں اتنا علم موجود ہے کہ اگر صدیاں بھی گزر جائیں تو یقیناً ہم یہ نہ کہہ سکیں گے کہ اب ہم کو باہر سے لینے کی ضرورت ہے۔ ہماری سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ اگر ہم نے اپنے بچے کو بیمار پایا، اور اگر ہمارے معالج نے یہ کہا کہ اس کو ٹائیفائیڈ (Typhoid) ہے تو ہم کبھی اس بات پہ اُڑ نہیں گئے کہ ہمیں ملیریا (Malaria) ہے۔ ہم نے اگر اپنا مقدمہ کسی وکیل کے حوالے کیا اور اگر اُس نے یہ طے کیا کہ یہ مقدمہ اس قانون کے تحت چلایا جائیگا تو ہم نے کبھی یہ نہیں کہا کہ آپ اس مقدمے کو اُس قانون کے تحت چلائیں اس لیے

کہ ہم اپنے آپ کو مختصصین علوم اور علوم سے تخصیص رکھنے والوں کے سامنے نادان سمجھے رہے یعنی ہمارا ڈاکٹر یقیناً اس قابل ہے کہ ہم اُس کے کام میں دخل نہ دیں، ہمارا حکیم اس قابل ہے کہ ہم دخل نہ دیں، ہمارا وکیل اس قابل ہے کہ ہم دخل نہ دیں۔ نہیں بلکہ وہ علوم کہ جس کی طرف دنیا جا رہی ہے۔ یعنی کوئی زولوجسٹ (ZOOLOGIST) یہاں آجائے، بائیولوجسٹ (BIOLOGIST) یہاں آجائے، کوئی جیولوجسٹ (GEOLOGIST) یہاں آجائے یا کوئی ماہر علم طبقات الارض یہاں آجائے تو کیا آپ زبان بھی کھول سکتے ہیں اُس کے سامنے؟ کیوں نہیں بول سکتے؟ اس لیے کہ ہم دخل نہیں دے سکتے۔ ہماری بڑی مجبوری یہ ہے کہ ہر چیز میں ہم کوئی دخل نہیں دے سکتے سوائے مذہب کے، جہاں مذہب کی گفتگو کی

کیا آپ وید کو اور گیتا کو اور اپنی ہندو مت کی کتابوں کو روک رکھیں گے، یہ کہہ کر کہ برہمن ہی اس کو پڑھ سکتا ہے؟ یہ باتیں اور ہیں۔ وہ قصے لڑائیاں اور وہ کہانیاں اور ہیں، مگر جہاں علم ہی علم ہے، اور جہاں قرآن سورۃ الانعام میں آواز دے ”قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ“ سورۃ الانعام آیت ۱۲۸

”کہہ دے، اگر تمہارے پاس علم ہے“ تو لاؤ۔

”فَخُذْهُ لَنَا طِ اِنْ تَتَّبِعُونَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُونَ۔“ (سورۃ الانعام آیت ۱۲۸)

پس تم اُس کو ہمارے سامنے لاؤ (اُس کو ظاہر کرو) تم فقط وہم و گمان وطن و تخمین کی پیروی کر رہے ہو اور تم صرف اُگلے پچو بایس بنا رہے ہو۔“ جب قرآن یہ کہے کہ علم ہے تو سامنے آؤ۔ یعنی جب قرآن

کسی کے علم کو تسلیم نہ کرے سوائے خود اس کی اپنی ذات کے کہ سورۃ نمل میں ارشاد ہوا:

”وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي

كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ (سُورَةُ النمل آیت ۷۵)

”اور کوئی شے آسمان اور زمین میں غائب نہیں ہے مگر وہ

(سب کا سب اس) کتابِ مبین میں موجود ہے۔“

یعنی جو کچھ غائب ہے وہ یہاں ہے۔ مذہب اور دین بھی ایک علم ہے، قرآن بھی اور قرآن سے استنباط کرنا بھی ایک علم ہے۔ قرآن کو لانے والے کے کلام سے قرآن کو سمجھنا بھی ایک علم ہے۔ بیان و تفسیر قرآن کو ساتھ لے جانا بھی ایک علم ہے، اس لیے کہ ماہیتِ اشیاء کو زمانے کے لامتناہی سلسلے تک دیکھ کر یہ کہا کہ یہ نجس ہے تو پھر نجس ہے، یہ پاک ہے تو پھر پاک ہے، یہ حلال ہے تو حلال ہے، یہ حرام ہے تو حرام ہے تو یہ جو بھی کچھ کہا علم سے کہا۔ یہ قند نہیں ہے کہ میں منوار ہوں بلکہ عقل کو چیلنج (CHALLENGE) دیا کہ جس کو نجس قرار دے رہا ہوں اس کی طہارت کا کوئی پہلو تو بتا دو اور جس کو طاهر کہہ رہا ہوں اس میں نجاست کی کوئی شکل نکال دو۔ تو دین و مذہب و قرآن ہے۔ اس لیے ایک مرتبہ پھر ہم یہ درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آج ملت اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتے ہوئے متحد ہو رہی ہے کہ نہیں ہم قرآن ہی کی بنیاد پر اپنے لیے کوئی نظامِ اقتصاد مرتب کریں گے، تو پہلے ملت کو سمجھنا ہے اور ملت کے مفکرین کو سمجھنا ہے کہ اس علم کو حاصل کرنا ہوگا۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ہم ہی پڑھیں گے، نہیں آپ بھی پڑھیے۔ یعنی سائنٹسٹ (SCIENTIST)

ہیں آپ مگر محنت کیجیے۔ اگر آپ ڈاکٹر ہیں محنت کیجیے، علم دین کو پڑھیے، آپ بائیولوجسٹ (BIOLOGIST) ہیں، آپ محنت کیجیے اور علم دین کو پڑھیے۔ ہر کلمہ گو کے لیے علم دین کو واضح کر دیا گیا تاکہ کوئی پڑھ کے حکم دے اللہ کا شکر ہے کہ ہر طرف سے یہ آواز بلند ہے کہ اب تو دنیا ئے اسلام پر کام ہوگا۔ ہم بڑے مطمئن ہیں، مگر دل میں یہ دوسوہ ہے کہ اسلام کے نام پر کہیں کوئی اور چیز فکریں تو نہیں ہے۔ یہ خود ایک علم ہے، مستقل علم ہے اور اس علم کی تاریخ "عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا" سے شروع ہوتی ہے، اور "الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ" پر جا کر تاریخ ختم ہوتی ہے۔ تو آپ نے دیکھا کہ اتنا طویل زمانہ اس علم کی ترویج میں گزرا ہے۔ تو ایسے موقعوں پر درمیان سے کسی کا یہ کہنا کہ اب ہم نے دین کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا ہے تو قابلِ تبریک ہیں وہ لوگ جو یہ اعلان کر رہے ہیں لیکن صرف اتنی در خواست ہے کہ پہلے پڑھ لیجیے، کہیں غلطی نہ ہو۔ اس لیے کہ آپ کو جس پر اعتماد ہے کہ ہم اسلام سے لیں گے، خدا کی قسم اسلام وہ کل ہے کہ جس سے ہر شے کو، ہر حیاتیات کو، ہر گوشہ زندگی کو فائدہ پہنچ سکتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اسلام اور اسلام کے تعلق سے اُن تمام علوم کو دیکھنا ہوگا کہ جن علوم پر قرآن نے روشنی ڈالی ہے، تو ایسی منزل پر پہنچ کر ایک مرتبہ پھر واپس چلیں علم غیب کی طرف کہ قرآن کا تو یہ دعویٰ ہے کہ:

”وَمَا عَالِيَةِ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ

مُبِينٍ ۝ (سُورَةُ النَّمْلِ آيَتِ ۵، ۶)

”اور آسمان و زمین میں کوئی شے غائب نہیں ہے مگر کتابِ مبین میں ہے۔“

اب جس کو کتابِ مبین کا علم دیا ہو تو اس کے نزدیک غائب کیا ہے، شہود کیا ہے۔ ایک بچہ ہے کہ جو پڑھ رہا ہے اُس نے حروف کو دیکھا اُس نے مرکبِ لفظوں کو دیکھا، اُس نے جملوں کو دیکھا، بہت کچھ غائب ہے حروفِ حاضر ہیں۔ بچے نے ترقی کی اور اب وہ جملے پڑھ رہا ہے تو عبارتِ حاضر ہے معنی غائب ہیں، اور ترقی کی، تو اب معنی پر بھی عبور ہوا لیکن پتہ چلا کہ صحیح معنی میں ادب، بلاغت، فصاحت، معنی، بیان کے اصول سے واقف نہیں ہے وہ سب غائب ہیں۔ تو جیسے جیسے پڑھتا جاتا ہے ہمیشہ جیسے جیسے علم میں ترقی ہوتی جاتی ہے، متشابه، محکم ہوتا جاتا ہے اور انسان کی نگاہوں سے پردے اٹھتے جاتے ہیں اور انسان سمجھتا ہے کہ کل تک یہی بات غیب تھی، لیکن آج معلوم ہو گئی۔ زمین و آسمان کے متعلق کتنی ایسی چیزیں ہیں جو گذشتہ تین سو برس کے دوران آپ کو معلوم ہوئی ہیں۔ ہمارے آباء اُولین کہ جن کا انتقال تین سو برس پہلے ہوا ہے اگر آج ان کو زندہ کیا جائے تو اس دنیا کو دیکھ کے وہ گھبرا جائیں گے کہ ہم اس دنیا سے تو نہیں گئے تھے۔ تو بات کیا تھی؟ بات صرف یہ ہے کہ ہر آن ایک غیبِ شہود کی منزل پر آرہا ہے۔ اسی لیے آواز دی:

”وَرَأٰنَ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُ
اِلَّا بِقَدْرِ مَعْلُوْمٍ“ (سورہ حجر آیت ۲۱)

”اور کوئی شے ایسی نہیں ہے کہ جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، ہم قدرِ معلوم پر نازل کرتے جاتے ہیں۔“

”کوئی شے ایسی نہیں ہے کہ جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں، ہم قدرِ معلوم پر نازل کرتے جاتے ہیں۔“ خزانے اُس کے پاس ہیں، اور

قدر معلوم کے ذریعے نازل کیے جاتے ہیں۔ تو قدر معلوم پر نزول واسطے کے ذریعے ہے۔ علم کے ذریعے ہے اور ایک ہی واسطہ ملتِ مسلمہ کے لیے قرار پایا کہ اگر یہ قرآنِ علم ہے تو اس معلوم کو واسطہ بنایا کہ جس نے تیس سال کے عرصے میں قرآن کی کسی آیت کو بھی پڑھتے ہوئے ایک حرف اور ایک لفظ کا بھی اضافہ نہیں کیا اور ارشاد فرمایا کہ دنیا میں بھی امین ہوں اور آخرت میں بھی امین ہوں۔ تو ذاتِ ختمی مرتبت کے ذریعے علم ملا اور ان کی ذاتِ گرامی مرکزِ علم قرار پائی۔ اب اس علم کے لیے اور اس کے حصول کے لیے اگر سہارے پاس فقط کشف رہ گیا ہے، فقط وجد رہ گیا ہے، فقط مراقبہ رہ گیا ہے، فقط رقص رہ گیا ہے کہ اس طرح سے ہم علم کو حاصل کریں گے، تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے صحیح معنیٰ میں دنیا کو نہیں دیکھا، دنیا میں — حکمت، کوکالت یا کوئی اور پیشہ وجد و رقص سے حاصل نہیں ہوتا، مراقبہ سے حاصل نہیں ہوتا تو عجیب بات یہ ہے کہ ہر جگہ تو محنت ہے مگر دین میں کشف ہے۔ سینہ کھل گیا ہم نے دیکھ لیا، سینے سے سینہ لگایا تو بھی سمجھ گئے، تو اس سلسلے کو آخر کہاں تک پھیلا یا جائے گا، اس لیے میں یہ چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ ملتِ مسلمہ جب اتحاد کی منزل پر یہ طے کر رہی ہے کہ اب ہم اپنے لیے راہیں ڈھونڈیں گے اور اپنے ہی دین کو، مذہب کو اور اپنی ہی الہی کتاب کو بنیادِ مذہب قرار دیں گے تو اس کتاب پر CONCENTRATION بھی تو ہو۔ ہر طرف سے یہ آواز ہے کہ اسلام پر بنیاد ہوگی مگر اب تک یہ گفتگو نہیں چھڑی کہ خود اسلام کیا ہے؟ اس لیے کہ اس گفتگو کے چھڑ جانے کے بعد کچھ خدشہ پیدا ہوتے ہیں اور پہلا خدشہ یہ ہے کہ سن گیا رہی ہے جس میں سرکارِ رسالتؐ نے رحلت کی ہے تو اب تصویر یہ ہوتا ہے کہ ان تک پہنچنے کے لیے راستہ کیا ہو؟ تو ہر حال سب کو اجازت ہے کہ وہ جس راستے سے بھی

جائے مگر اُس ذات سے وابستگی اختیار کی جائے جس میں نہ عیب ہے اور نہ ریب ہے۔ نبیؐ کی منزل علم کمال کی منزل ہے جہاں یقین ہی یقین ہے شک نہیں ہے۔ تو قرآن عین یقین، نبیؐ عین یقین تو پھر اب نبیؐ سے سلسلہ ملانا ہے تو پھر وہ آئے کہ جو اس شان سے یہ کہے کہ :-

★ ”پر دے اٹھتے جاتیں مگر میرا یقین جہاں ہے وہیں رہے گا۔“

اب ایک اور میرے مولا کا ارشاد سن لیجیے ..

★ ”علم آگیا ہے، عمل کرو، یقین آگیا ہے اقدام کرو“

علم و یقین ہی تو دو دولتیں ہیں کہ جس پر دنیا کا مدار ہے۔ تو یہاں نہ اقدام ممکن ہے نہ عمل ممکن ہے۔ بس صرف ایک تمنا ہے کہ ہم ایسا کریں گے تو اقدام اس لیے نہیں ہے کہ یقین نہیں ہے اور عمل اس لیے نہیں ہے کہ علم نہیں ہے۔ میری واحد تمنا یہ ہے کہ اسلام کے مختلف طبقات میں دشمنیاں بٹا کر، تعصبات کو دور کر کے، حمیت باطلہ کو برطرف کر کے اگر حق کی منزل پر آؤ تو اب بھی کچھ نظر آئے گا ورنہ کتنا تو اختلاف رہے گا، کہ اختلافِ فکری سے ترقی ہوتی ہے کبھی کبھی گھبرا جاتا ہوں کہ معلوم نہیں آپ کیا سمجھتے ہوں گے، یہ حمیتِ باطلہ کیا ہے؟ ایک مثال دے دوں۔ مولانا محمد علی احمدی مفسرِ قرآن، بڑے جہان دیدہ لوگوں میں سے تھے، بڑے پڑھے لکھے لوگوں میں سے تھے، تفسیر لکھی ہے انگریزی میں اور ہمارے مطالعے میں ہمیشہ یہ تفسیر رہتی ہے۔ ”سورۃ احزاب“ کی تفسیر کرتے ہوئے ایک منزل پر پہنچے کہ جہاں یہ ارشاد ہوا کہ رسول کی بیویاں اُمت پر حرام ہیں اور اُمتِ المؤمنین ہیں تو صاحبانِ ایمان کی مائیں ہیں ”کوئی اُن سے عقد نہ کرے“

اب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ”اس لیے منع کیا کہ کوئی بی بی شادی

نہ کرے کہ ایک بیٹی کی اولاد کی ناجائز طرفداری نے اتنے فرقے پیدا کر دیے اب اگر اور بیسیوں کو اولاد ہو جاتی تو دین کا کیا حال ہوتا، تو ایک بیٹی کی اولاد کی ناجائز طرفداری حقیقتِ باطلہ ہے۔ یہ ناجائز طرفداری کی کیا بات ہے؟ یہ ناجائز طرفداری کیا سوہی ہے؟ یعنی زمانے نے ایک ایسی منزل پر رسولؐ کی بیٹی کی اولاد کو پہنچایا تھا جب اس سلسلہ میں نہ امامِ اعظم تھے، نہ امامِ مالک تھے، نہ امامِ شافعی تھے، نہ امام احمد ابن حنبل تھے۔ محدثین میں کوئی نہیں، ائمہ فقہاء میں کوئی نہیں، اکیلے حسیں ایک طرف، اکیلا زید ایک طرف۔ تو اگر تم نے ناجائز طرفداری کی، اب جائز طرفداری کر کے بتلاؤ۔ نہ امام صادق ہیں اور نہ ائمہ فقہاء موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کا احترام بھی ہے، اس لیے کہ انھوں نے مکاتبِ فقہی قائم کیے ہیں اور مکاتبِ فقہی قائم کر کے خود ہم کو پہنچوایا۔ میں کیا تعریف کر سکتا ہوں امامِ اعظم، امامِ مالک، امامِ شافعی اور امام احمد ابن حنبل کی۔ انھوں نے فقہ کے قدر درست کیے، احادیثِ نبویؐ سے احکام کو لیا اور اس کے بعد جب صادقین کے احکام سامنے آئے، یعنی امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے احکام سامنے آئے تو اس وقت ہم کو معلوم ہوا کہ رسولؐ سے مسلسل حدیث کو لینے میں اور بالواسطہ لینے میں اور بالمشافہ لینے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ ہم کو اس بات کا علم ہوا اور اسی علم کو شیخ محمد شلتوت نے جامعہ ازہر سے، انھوں نے ہماری کتاب "وسائل الشیعہ" کا مقدمہ لکھتے ہوئے لکھا، جو کہ ہماری فقہ کی کتاب ہے اور حُر عاملی کی اہم ترین تصنیف ہے اس کی پہلی جلد پر شیخ محمد شلتوت نے مقدمہ لکھتے ہوئے لکھا کہ: "آج میں افتخار محسوس کر رہا ہوں کہ ایک شیعہ فقہ کی کتاب پر مقدمہ لکھ رہا ہوں، مگر یہ لکھنا چاہتا ہوں کہ کاش ہمارے علماء جان لیتے کہ شیعہ فقہ کا پڑھنا کیوں ضروری ہے، اس لیے کہ جب تک یہ فقہ

پڑھی نہ جائے کسی اور کی فقہ سمجھ میں نہیں آتی۔“

یہ جملہ بذاتِ خود ایک مکتب ہے اور ایک دفتر ہے۔ کتنی ہزار مثالیں دی جاسکتی ہیں کہ کیا سمجھنا ہے۔ بہر حال مشائخِ اجازہ کی کیفیت یہ ہے کہ کسی نے بنی اسد کے قبیلے سے لیا، بنی اسد کے قبیلے سے کوئی استاد تھا، اُن کا استاد بنی تمیم کے قبیلے سے تھا، اُنھوں نے حدیث کو لیا بنی تمیم سے، بنی تمیم نے اپنے استاد سے لیا، وہ بنی ہوزن کے قبیلے سے تھا، بنی ہوزن نے اپنے استاد سے لیا، جو کہ بنی اسد کے قبیلے سے تھا، بنی اسد نے رسولؐ کے کسی مقرب صحابی سے لیا، کہ میں نے ایسے سنا۔ تو آپؐ نے دیکھا کہ اتنے بدلتے ہوئے قبیلے جب ایک حدیث کی نقل میں آجائیں تو تمیم کو ہوزن سے کیا ہردی، ہوزن کو تمیم سے کیا ہردی، تو جب ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے میں روایت آئی تو نتیجہ یہ ہوا کہ منتقل ہونے والا علم صحیح معنی میں اُس طرف کو نہ پاسکا کہ جس طرف میں عصمت لازم تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روایتیں مختلف مقامات پر بدلتی ہوئی نظر آئیں گی، گفتگو وہی ہے۔ — میں آپؐ کے افہام و تفہیم کے لیے کہہ دوں، ملتِ مسلمہ بھی سن لے کہ، خدا و رسولؐ گواہ ہیں کہ آپؐ واقف ہیں کہ میں کس عقیدے سے متعلق ہوں لیکن یہ کہنا چاہتا ہوں کہ فقہ جعفری میں کوئی بھی حکم ایسا نہیں ہے یعنی روزہ ہو، یا نماز ہو، حج ہو، زکوٰۃ ہو، خمس ہو یا جہاد ہو، کوئی بھی حکم ایسا نہیں ہے کہ جس کو کسی نہ کسی ائمہ فقہ میں سے کسی امام نے نقل نہ کیا ہو۔ یا امام مالک نے، یا امام شافعی نے، یا امام اعظم نے، یا امام احمد ابن حنبل نے، یا تھابذنا ہو یا ما تھ کھولنا کسی نے یہ روایت لی اور کسی نے وہ روایت لی۔ وہ تشہد کا پڑھنا ہو وہ دعائے قنوت ہو، تو امام شافعی نے دعائے قنوت کی اجازت دی، تو کسی نے یہ روایت لی اور کسی نے وہ روایت لی، کیوں؟ اس لیے کہ ہم تک روایت

پہچانے والوں نے کہا کہ مجھ سے میرے باپ نے کہا، اُن سے اُن کے باپ نے کہا، اُن سے اُن کے باپ نے کہا، تو قبیلہ ایک سلسلہ ایک، ہمدردی ایک، علم سے درد ایک، اور پھر سب کو یہی فکر کہ میرے جد کے پیغام کی حفاظت ہو جائے، اس لیے جب ہم نے صدیقین سے علوم کو لیا تو یہ سمجھ کے لیا کہ یہ بہتر جانتے ہیں کہ ان کے جد کے علوم کی حفاظت کس طرح کی جاتی ہے۔

ایک بات ذہنوں میں محفوظ رہے کہ اتنا وسعت رکھنے والا علم ہے، یہ علم دین کہ اس کو اتنا سرسری اور اس قدر سرعتِ فکر کے ساتھ اُس لفظ کو استعمال کرنے کی کوشش نہ کریں۔ دین دار سب ہیں اور سب کو حق پہنچتا ہے صرف دین کا، مگر علم اور ہے، علم کی حقیقت اور ہے، علم کی حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ محنت ہو اور محنت کا تقاضا یہ ہے کہ بنیادیں صحیح ہوں اور بنیاد سوائے علم معصوم کے اور کچھ نہیں ہے۔ ارے آج دنیا کیسے بدل گئی؟ دنیا میں کیا انقلابات آگئے، کتنے کھرے اور بچے تھے وہ لوگ کہ جو کہتے تھے کہ ”اگر تم نہ ہو تو ہم ہلاک ہو جائیں گے۔“ بات تو بس یہی ہے کہ انسان محسوس کرنے کے حدِ عاجزی کیا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ میرے پاس بھی علم ہے مگر علم ہی ایک منزل ہے کہ جہاں آدمی جلدی سے پرکھ لیا جاتا ہے۔ یہ نہیں کہ میرے پاس دولت ہے، تو گھر میں ہوگی، میرے پاس جواہرات ہیں، تو گھر میں ہوں گے، میرے دادا کا خزانہ ہے، کسی مقام پر دُفینہ ہوگا۔ مگر یہ علم کی ہی بات ہے کہ کہیں جانے آنے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹنے نہیں دیتا کہ گدھر جا رہے ہو؟ تقوے کی باتیں اپنے گھروں میں کرو، تقوے کی باتیں اپنے گاؤں، زمین، عبادت خانوں میں کرو، تقوے کی باتیں اپنے گرجاؤں میں کرو، تقوے

کی باتیں اپنے اُن مکانات میں کرو جہاں بند ہو کر تم سُنو سُنو اِس عبادت میں کرتے ہو مگر علم کی باتیں ہیں تو لاؤ اپنے بیٹوں کو ہم لاتے ہیں اپنے بیٹوں کو، لاؤ اپنی عورتوں کو ہم لاتے ہیں اپنی عورتوں کو، اور لاؤ اپنے نفوس کو ہم لاتے ہیں اپنے نفوس کو، یہ مقام علم ہے۔

تو آپ نے دیکھا کہ آپ جو سلسلہ چاہتے تھے رسولؐ تک تو وہ سلسلہ یہی ہے۔ حضرت شیخ الاسلام شیخ اشرف علی تھانویؒ نے آیہ مباہلہ لکھ کے حاشیہ دیا اور اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ: ”یہ آیت آئی اور حق یہ ہے کہ علیؑ نکلے، فاطمہؑ نکلیں اور حسنؑ و حسینؑ نکلے۔ نفس کی جگہ علیؑ، نساء کی جگہ فاطمہؑ، ابناء کی جگہ حسنؑ و حسینؑ، تو ملتِ مسلمہ نے اس راستے کو کیوں چھوڑا۔

معلوم نہیں کیا بار ہو گیا دماغِ ملوکیت پر اور کس چیز نے خراش لگا دی۔ ایک دن ماموں رشید نے بڑی گراں خاطر ہی کے ساتھ یہ کہا کہ یا بنِ رسولؐ اشد! یہ آپ جو بار بار کہتے ہیں کہ میں عترت میں ہوں، اسی بات پر کہتے ہیں ناکہ مباہلہ میں ابناءؤنا ہے۔؟ ارشاد فرمایا: نہ ہو۔ کہا ابناءؤنا نہ ہو تو بھی آپ ناز کریں، تو مولائے کہا، ہاں، اس لیے کہ نساءؤنا ہے۔ تو کہا اس لیے کہ ماں گئیں تھیں، تو مولائے کہا: نہ ہو۔ تو اب تو ماموں پریشان ہو گیا، کہا ابناءؤنا اور نساءؤنا بھی نہ ہو تو جب بھی ناز کریں گے؟ ارشاد فرمایا کہ: ہاں، ہم سب نفوسِ محمدؐ ہیں ہم سب اَنفُسُنَا میں ہیں۔ تو علمِ معصوم یوں منتقل ہوا۔ ہم نے نفس سے لیا، اور یہ منزل ہے کہ جہاں ذاتِ خاتمِ مطہرینؐ ہے کہ یہ ابناءؤنا کا سلسلہ ہے اور یہ نفوسِ باقی ہیں۔ یہ نساءِ ساری کائنات میں مظہرِ جمال و جلالِ پیغمبرینؐ کے نمائندگی کرتی رہے گی۔ یعنی زہراؑ۔ مطہرینؐ ہیں ہم — !

بہر حال، ہم چاہتے ہیں کہ ایک کیفیتِ یقینی پیدا ہو جائے اور یقین کی

صورت میں انسان بے اختیار اقدام کرتا ہے اور آگے بڑھتا ہے اور یہ یقین ہی کی منزل ہے کہ جہاں انسان جذباتِ فردیت و قربانی کے ساتھ آتا ہے۔ حسین کو یقین ہے کہ میرے عمل سے میرا جدر اٹھی ہے، کہ میرے عمل سے میرا خدا راضی ہے۔ یقین ہے حسین کو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ حق کہہ رہا ہوں کسی کی مجال نہیں ہے میدانِ کربلا میں جو یہ کہے کہ حسین! تمہارا قرآن الگ ہے اور یہ کہ، حسین! تم تو نماز الگ طریقے سے پڑھتے ہو۔ کسی نے بھی الزام نہیں لگایا۔ بحث بیعت کی ہے۔ فقہی مہرب کی، اور فقہی مکتب کی بحث نہیں ہے۔ یہ دور بیزید سے سمجھنے کی کوشش کیجیے کہ یہ فقہی بحث نہیں ہے کہ تمہاری نمازیہ ہے، تمہارا قرآن یہ ہے کہ تم اس طریقے سے عبادت کرتے ہو۔ نہیں۔ بلکہ بیعت کرو۔ تو انکارِ بیعت جس طرح سے ہوا سو ہوا، مگر حسین نے بھی انتہا کر دی کہ زمانے کے آخری حصے تک بھی ہر (JUDGEMENT) کے لیے، ہر فیصلے کے لیے اپنے ہاتھ کو پیش کر دیا کہ ملتِ مسلمہ جب چاہو میرا فیصلہ کر دو۔ جب چاہو فیصلہ کرنا۔ دیکھو یہ آخری منزل ہے۔ علی اصغر کو لے کے آئے، بے کوئی فیصلہ کرنے والا ہے کسی کے دل میں درد؟

علی اصغر آئے۔ جھولے سے لیا، پیار کیا اور ادب سے بچے کی ماں نے اتنا کہا کہ والی! غشی طاری ہے مگر اس کے باوجود جب آپ نے آواز دی کہ "هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا" یہ بچہ جھولے سے گر پڑا۔ تو یہ کہہ کے چلے کہ آؤ اصغر تم بھی میدانِ کربلا کی سیر کرو میرے محل۔ کہا کہ ہم کوشش کریں گے پانی پلانے کی۔ تو ماں نے کہا کہ والی! ذرا کپڑے بدل دو اس کے۔ علی اصغر کی پوشاک بدل دی۔ حسین نے پچھلے کو گود میں لیا، کربلا کی زمین گرم تھی۔ آفتاب قیامت کی تمازت برسا رہا تھا۔ فرزندِ رسولؐ نے یہ سمجھ کر کہ فاطمہؑ کے باغ کی یہ تازہ کلی کھلانے جاتے

عباد کا دامن ڈال دیا اور چلے اور کچھ وقت گزر گیا، تھوڑی دیر کے بعد اُمّ ربابؓ نے کہا کہ شہزادی اُمّ کلثومؓ! آقا اب تک نہیں آئے۔ تو اُمّ کلثومؓ نے پردہ ہٹا کے کہا کہ ربابؓ! کبھی آرہے ہیں، کبھی جا رہے ہیں۔ تو ایک مرتبہ امامؑ کی آواز آئی اُمّ کلثومؓ! یہاں بچے کی ماں بھی ہے؟ تو کہا: ہاں آقا کھڑی ہوتی ہیں اُمّ ربابؓ۔ ربابؓ کو بلایا، ربابؓ باہر آئیں۔ امامؑ نے کہا: ربابؓ! میں کون ہوں؟ تو اب جو آقا کے چہرے کو دیکھا تو دیکھا رنگ بدلا ہوا ہے۔ پہلے چہرے پر لہو نہیں تھا اور اب تمام چہرے پر لہو ہے۔ ربابؓ نے کہا کہ آپ حجتِ خدا، آپ مالکِ کل ہیں۔ کہا: ربابؓ! صبر کرو گی۔ تو کہا ہاں والی صبر کروں گی۔ امامؑ نے کہا: ربابؓ تیرے بچے کو لے گیا تھا یہ سمجھ کے کہ پانی لے گا، تو ربابؓ! پانی تو نہیں ملا، یہ دیکھ تیرا پتہ ہے۔





jabir.abbas@yahoo.com

جلسہ ہفتم

- ۱۔ معصوم کی تعریف -
 - ۲۔ علم نبوت قیامت تک دیکھتا ہے -
 - ۳۔ آیات کا مفہوم رسولؐ نے بتا دیا تھا -
 - ۴۔ فکرِ بد معصوم کو نہیں پاسکتی -
 - ۵۔ رسولؐ کا علم اور غدیرِ خم -
 - ۶۔ قیامت کو دیکھنے والا رسولؐ مکر بلا کو بھی دیکھ رہا تھا -
 - ۷۔ رسولؐ کو حضرت فاطمہؑ اور اُن کی اولاد پر ہونے والے مصائب کا علم تھا -
 - ۸۔ اسلام کر بلا ہے اور کر بلا اسلام ہے -
 - ۹۔ دنیا کی ہر شے پانی سے زندہ ہے -
 - ۱۰۔ سبیلِ حسینؑ کی عظمت -
 - ۱۱۔ سکینہؑ بی بی کی پیاس اور حضرت عباسؑ کی رخصت -
- عشرہ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء بمقام نشرِ پارک
۷ محرم ۱۴۰۰ھ / ۱۷ مارچ

مجلس ہفتم

”علم معصوم“ کے عنوان سے آپ ساتویں تقریر سماعت فرما رہے ہیں۔ میری ان تقریروں اور باقی تقریروں میں میرا یہ طریقہ رہا ہمیشہ سے رہا ہے کہ گفتگو کھلے دل سے ہو، بڑی وضاحت سے ہو، ہر مسلمان کو اپنا بھائی جان کر گفتگو ہو اور ملتِ اسلامیہ کی اخوت کو پیش نظر رکھ کر مباحث کو پیش کیا جائے۔ یہ معنی نہیں کہ مصلحتوں کی وجہ سے کچھ چھپایا جا رہا ہے اور کچھ کہا جا رہا ہے۔ خدا کیسا ہے اور کیسا نہیں۔ کوئی بات ایسی ہے ہی نہیں کہ جس کو چھپایا جائے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اسلام میں فرتے ہیں۔ ”مستدرک حاکم“ کے اعتبار سے (۷۳) تہتر فرتے ہیں۔ اور مستدرک حاکم کے متعلق ایک بات یاد رکھیے کہ۔ حاکم کا سن وفات ۴۰۵ھ ہے اور غالباً یہ ۳۲۵ھ یا اس کے بعد پیدا ہوئے ہیں اور علماء میں سے ہیں۔ اور اُس وقت فرماتے ہیں کہ اسلام میں تہتر (۷۳) فرتے ہیں۔ تو آج کی خبر تو خدا ہی جانے۔ بہر حال فقہی اختلافات اور اختلافاتِ فکر و نظر تو ہیں۔

ہم نے بغیر کسی دماغی تعطل کے آج سے کئی سال پہلے اعلان کیا تھا اور اس کو پچھلے سال دہرایا اور اس سال دہرا رہا ہوں کہ جیسا کہ ابنِ لغز سے ایر المونی نے خواب میں کہا تھا کہ یہ جو بغداد سے قافلہ گزر رہا ہے اور اُس میں ایک عالم آ رہا ہے تو اُس سے صرف اتنا پوچھنا کہ اسلام میں کتنے فرتے ہیں اور اگر وہ یہ کہے کہ تہتر (۷۳) فرتے ہیں، تو یہ پوچھ لینا کہ آلِ محمد کس فرتے میں ہیں؟۔ تو بس ہم نے بڑی وضاحت کے ساتھ کہا ہے کہ آلِ محمد جدِ ہر ہیں ہم بھی اُسی طرف ہیں۔

اس میں نہ چھپانے کی بات ہے اور نہ اس میں بتلانے والی کوئی بات ہے کہ جہاں ہم دماغی طور سے کسی چیز کو بتلائیں۔

جیسا کہ میں نے پچھلی تقاریر میں کہا کہ آلِ محمدؐ خود معیار بنتے ہیں کسی اور کو معیار نہیں بناتے۔ آلِ محمدؐ کے کلام اور گفتگو کے لیے اور ان کی حدیث کو سُن کر ہم کسی اور سے یہ نہیں پوچھتے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں، بلکہ دوسروں سے سُن کر ہم آلِ محمدؐ سے یہ پوچھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ یہ گھراں ہی کا ہے۔ تو ہمارا موقف تو واضح ہے۔ یعنی یہ مجلسیں کھلے دل سے کی جا رہی ہیں اور کھلے مقام پر کی جا رہی ہیں اور پھر اس میں کسی قسم کی پابندی نہیں ہے تو پھر اس لیے نہیں ہے کہ ہم اپنی وسعتِ قلب کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اختلافات کو مٹانے کے لیے تقریر نہیں ہو رہی ہے؛ اختلافات تو قیامت تک رہیں گے، اس لیے کہ فکر و نظر و آراء کا اختلاف ہے۔ یعنی دو ڈاکٹروں کی رائے مختلف ہو سکتی ہے اور دو وکیلوں کی رائے مختلف ہو سکتی ہے، دو طبیبوں، دو انجینیروں کی رائے مختلف ہو سکتی ہے، چرچا جسکے محبت کے راستے میں اگر رائے مختلف ہو جائے تو پرواہ نہیں ہے۔ جو جس کو چاہے دوست رکھے کسی پر جبر نہیں کیا جاسکتا کہ آلِ محمدؐ ہی کو دوست رکھو۔ آلِ محمدؐ کے علاوہ بھی اور جتنے گھرانے ہیں اگر ان سے دوستی ہے تو اس سے ہم کو تکلیف نہیں ہے۔ مگر آلِ محمدؐ کی دوستی میں ایک فائدہ جو ہم کو ملتا اس کی تصدیق ہو نہ ہو، آپ مانیں یا نہ مانیں، آپ مبالغہ سمجھیں یا حقیقت سمجھیں، آپ خود ستاتی کہیں یا کچھ اور فقط یہ ایک ہی گھرانہ ہے کہ جس نے یہ ذمے داری قبول کر لی ہے کہ اگر سہارا دامن تھام لو تو یہاں بھی بچائیں گے اور وہاں بھی بچائیں گے۔

تو ان مجالس سے ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معصوم کے نقطہ نگاہ کی

وضاحت ہو۔ ”علم معصوم“ سے مقصد یہ تھا کہ معصوم کے نقطہ نگاہ کی حجت ہو۔ جب آپ کو روایات کے پڑھنے کا موقع ملے تو یہ دیکھیے کہ قرآن کی کس آیت کو معصوم نے کہاں صرف کیا ہے۔ یہ اُن کا حق ہے اور اُن کا اختیار ہے اور کسی اور کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ قرآن کی کسی آیت کو کسی جگہ صرف کرے۔

قرآن کلامِ ربّانی ہے، قرآن حکمتِ الہی ہے، قرآن قانون ہے اُس حجتِ و قیوم و لم یزل ولا یزال کا کہ جس قانون کو قیامت تک رہنا ہے۔ یعنی جسکی ہر آیت اور آیت کا ہر لفظ حجت ہے اور اس حجت کے ساتھ ہم جب قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یقیناً قرآن مجید میں ہماری آپ کی طرح سے اپنے دوستوں کی بدعت سرائی میں جس طرح ہم مبالغہ کرتے ہیں، اس طرح قرآن نے انبیاء کی بدعت سرائی میں مبالغہ نہیں کیا ہے۔ اگر کسی نبی کی قرآن نے تعریف کی تو خاکِ بدہن، کیا ضرورت ہے قرآن کو تملق کی، یعنی کیا ضرورت ہے قرآن کو کسی کی ایسی تعریف کی کہ جس کا وہ اہل نہ ہو، جب تک حق نہ پہنچے قرآن کسی کی تعریف نہیں کرتا۔ تو اگر یہ بات آپ کے اذہان میں محفوظ ہو جائے کہ قرآن نے کبھی بھی کسی کی بے جا تعریف نہیں کی، بلکہ عادلِ حقیقی نے کمالِ عدل پر اگر کسی کی تعریف کی ہے تو اُس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے لیے حجت ہے کہ اب تو اُس کو پہچانو۔ سورہ طور میں قرآن مجید کا باوٹواں سورہ ہے اُس کی ایک چھوٹی سی آیت ہے :

”وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا“ (سورہ طور آیت ۴۸)

”اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کر، (رسول) تجھ پر ہماری نگاہیں

جمی ہوئی ہیں۔“

اگر ”إِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا“ کو سمجھنا ہے تو یہی لفظ قرآن مجید میں ایک اور جگہ

بھی آیا ہے جب نوح کشتی بنا رہے تھے تو ارشاد ہوا تھا:
 ”وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا“ (سورہ ہود آیت ۳۷)
 ”اور کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے بناؤ۔“

تو نوح کا سفینہ ہماری نگاہوں کے سامنے بنے گا، یعنی ہم علم دے رہے ہیں نوح کو سفینہ سازی کا، اس لیے جیسے جیسے لکڑیوں کو جوڑتے جاؤ گے، جہاں جہاں وسعت کی ضرورت ہے اور جہاں جہاں ہم یہ دیکھیں گے کہ اب اس مقام پر کشتی کی ساخت کو کسی اور طریقے سے آگے بڑھانا یا کم کرنا مقصود ہو تو ہم بتلا دیا کریں گے۔ تو ایک کشتی کے لیے حکم ہوا کہ کشتی ہماری نگاہوں کے سامنے بنے گی، تو پیغمبر کی پوری زندگی کے لیے حکم ہو رہا ہے کہ تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو۔ اٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، تکلم، خاموشی، کسی سے جنگ، کسی سے صلح، کسی منزل پہ مبالغہ۔ یہ سب نگاہِ الہی میں ہے۔ یعنی ذاتِ واجب کی نگرانی میں یہ عمل ہو رہا ہے۔ اب تو اس منزل پر معصوم کی تعریف کو واضح ہو جانا چاہیے کہ معصوم کے معنی کیا ہیں؟ معصوم کے معنی یہ ہیں کہ امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ فرزندِ رسول! معصوم کی تعریف کیا ہے؟ ارشاد فرمایا:

”وَمَنْ يَتَّقِصْمُ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ“ (سورہ آل عمران آیت ۱)۔ معصوم نے یہ آیت پڑھ کے اعتصام کے معنی بتائے۔ ”اور جو شخص خدا سے وابستہ ہو اعتصام کرے، وہی صراطِ مستقیم پر ہے۔“

جو اللہ سے اعتصام کرے۔ یعنی اللہ سے ایسا رابطہ کرے کہ جو رابطہ ٹوٹنے ہی نہ پائے۔

”وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ...“ (سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳)

”اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو“ اعتصام۔ یعنی اعتصام اگر کسی کا اللہ سے ہو تو اسے معصوم کہتے ہیں۔ تو معصوم کے معنی میں ممکن ہے کہ اختلاف ہو کہ معصوم کیوں کہتے ہو اور کون معصوم ہے۔ تو میرے عزیز بھائیو! اگر آپ معصوم کے یہ معنی کر رہے ہیں کہ جہاں کوتاہی نہ ہو، نقص نہ ہو، کمی نہ ہو تو یہ معنی تو غلط ہیں۔ اس لیے کہ ختمی مرتبتؐ میں ایک نقص ہے اور وہ نقص ہے امکان کا، وہ واجب ہے۔ یہ ممکن ہیں۔ ایک نقص ہے۔ وہ خالق ہے یہ مخلوق ہیں، مگر مخلوق ایسا کہ جس کے آئینے میں خالق جلوہ گر ہے اور وہ قدیم ہے تو یہ حادث ہیں مگر ایسا حادث کہ اب قیامت تک لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے ساتھ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ بھی رہے گا۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ معصوم کہہ کر ہم نے خدا بنانے کی کوشش کی، معصوم عبدیت ہے، امکان معصوم، حدوث معصوم ہے، خلقت میں ایسا مخلوق کہ جس کو خالق نے اپنے لیے خلق کیا، وہ معصوم ہے۔ آئیے اب معصوم کی تعریف کریں۔

کچھ انسانوں میں اچھی تربیت، اچھا معاشرہ، اچھا گھرانہ، اچھا استاد ملنے کی وجہ سے ایک ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی انسان یہ کہے کہ اتنے روپے لے لو، ایک مرتبہ جھوٹ کہہ دو۔ تو اچھی تربیت کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ میری فطرت نہیں بدلتی، تم روپے سے میرا ضمیر نہیں خرید سکتے ہیں میں جھوٹ نہیں کہتا کسی انسان سے اگر یہ کہا جائے کہ اتنے ہزار روپے لے لو اور وہ مال جو وہاں رکھا ہے اس کو یہاں لے آؤ۔ تو خدا گواہ ہے آپ میں سے کوئی انسان یہ کام نہیں کرے گا۔ تو یہ ایک ملکہ ہے، یہ ایک جبلت ہے، یہ ایک کیفیت ہے کہ طبیعت فطرتاً برائی کی طرف راغب نہ ہو۔ یعنی بلا ارادہ بھی

جہاں غلطی اور گناہ نہ ہو۔ یہ کیوں؟ تو آپ اپنے اوپر غور کیجیے، کہ کیا بلا ارادہ کوئی گناہ کر سکتا ہے، کیا بلا ارادہ کوئی ایسی غلطی کر سکتا ہے کہ جس کی سزا معین ہو۔ اگر گھرانہ شریف ہے، استاد شریف ہے، معاشرہ شریف ہے تو کبھی کوئی ایسی غلطی نہیں کرے گا، چہ جائیکہ ہدایت انسانی کے لیے ذات واجب نے ایک ایسے سلسلے کو درست کیا کہ جو سلسلہ شجر ممنوعہ سے لے کر شجر طیبہ تک ہے یعنی آدم سے لے کر خاتم تک یہ سلسلہ رہے تو وہاں پتہ چلتا ہے کہ کیسی کسی تربیت کی گئی۔ ”یہ وہ لوگ تھے کہ کریم صلیبوں نے ان امانتوں کو ظاہر حجتوں تک پہنچایا۔“ یہ نور کے اصحاب میں سجدے کرتا تھا۔

امام رازی فرماتے ہیں اس آیت کی تفسیر میں :

”وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرْكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقْلُبُكَ فِي السَّجْدَيْنِ ۝“ (سورۃ الشعراء آیت ۲۱۷ تا ۲۱۹)

”اور بھروسہ کر عزیز و رحیم پر کہ جو تجھ کو دیکھتا ہے جب تو قیام کرتا ہے اور تجھ کو (دیکھتا ہے) تو بدل بدل کر سجدہ کرنے لگتا ہے۔“

امام رازی لکھتے ہیں کہ یہ نبی کا نور تھا جو کبھی آدم کی پیشانی پر تھا، کبھی نوح کی پیشانی پر چمک رہا تھا، کبھی ابراہیم کی پیشانی پر تو کبھی اسماعیل کی پیشانی پر چمک رہا تھا، تو کریم صلیبوں نے ظاہر حجتوں تک اس نور کو پہنچایا۔ جہاں اتنی حفاظت کے ساتھ نور آیا ہو وہاں امکان خطا کیسا۔

سورۃ جنّ قرآن کریم کا بہتر اُوال سورہ، اس کی آیت ہے :

”عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ ۝“ (سورۃ جنّ آیت ۲۶-۲۷ اور ۲۷-۲۸)

”غیب کا عالم اپنے علم غیب کو ظاہر نہیں کرتا، مگر جس کو وہ رسولوں میں رخصی کرے اس پر۔“

(۱۰۶)

اس کے بعد کی آیت ہے :

”لِيَعْلَمَ أَنْ قَدْ أَبْلَغُوا رَسُولَهُمْ وَأَحَاطَ بِمَا
لَدَيْهِمْ وَأَحْصَى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا“ (سورہ جثا آیت ۱۸)
”تاکہ وہ جان لے کہ انھوں نے اپنے رب کے عوامل کو کھیتا پہنچایا اور جو کچھ
اُن کے پاس ہے وہ اُس کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر چیز کو اُس نے شمار
کر رکھا ہے۔“

اس لیے تبلیغ کے لیے اس کو بھیجا، حفاظت ہم نے کی، ہر چیز کو ہم نے گھیر
رکھا ہے، نبی پر ہماری نظر ہے، اُس کے اُٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے پر ہماری نظر
ہے۔ پھر یہ کہ کوئی اس کو کوئی نقصان نہ پہنچا دے تاکہ ہمارا Message کہیں
Incomplete (نامکمل) نہ رہ جائے۔ اتنی نگرانی ہم نے کی اور کہا جاؤ
ہم ساتھ ہیں۔ ایک سفینہ بنانے کے لیے تو نگاہِ الہی ساتھ ہے اور جس دین کو
قیامت تک کے لیے جانا ہے اُس کو اپنی نگاہوں سے الگ کر لیں۔ ہم نے رسد
قائم کر دی کہ نبی کی نگرانی ہوتی رہے۔

تو اب آپ نے دیکھا کہ جب نبی کو کوئی پیغام دیا جاتا ہے تو اُس کی بھی
نگرانی کی جاتی ہے، حفاظت ہم کریں گے گھبرانا نہیں۔ یہی وہ منزل ہے کہ جہاں
جو بھی پیغام دیا گیا ہو اُس کے لیے ارشاد ہوا۔ سورہ مائدہ میں :

”يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ
لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ
مِنَ النَّاسِ“ (سورہ مائدہ آیت ۶۷)

”اے رسول! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا
گیا ہے (کہا گیا ہے) اُس کو پہنچا دو، اور اگر نہیں پہنچا یا تو گویا تم نے کارِ رسالت
انجام نہیں دیا۔ اور اللہ تم کو بچالے گا انسانوں سے۔“

تو معصوم وہ جو خود بچا رہے، معصوم وہ جسے انسانوں سے بھی بچایا جائے، جو کسی کی زد پہ نہ آئے۔ تیر و تبر کی نہیں، کسی کی بد اخلاقی، کسی کی بد خلقی کسی کی بد فکری، کسی کی بد نظری اُس ذات تک نہ پہنچ سکے۔

معصوم وہ ہے کہ اگر میں یہ سوچوں کہ نہیں اُنھوں نے تو غلطی کی تھی مگر معصوم وہ ہے کہ: "وَاللّٰهُ يُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ".....
 "کہ میری فکر وہاں پہنچ ہی نہیں سکتی۔" آدمی کو آدمی نقصان ہی جب پہنچاتا ہے، جب کوئی کسی سے یہ کہے کہ تم غلط کہتے ہو۔ تو وہ بگڑ جاتا ہے۔ مگر یہاں اس طرح سے بچا کے رکھا کہ آپ کی فکر غلط وہاں نہیں پہنچتی۔ راسِ تطہیر اتنا بلند ہے کہ وہاں فکر غلط نہیں پہنچتی۔

تو آیت میں بچ کا ایک ٹکڑا تھا کہ "جو کچھ کہا گیا وہ پہنچا دو۔"
 جو بھی پیغام دیا، نماز کا دیا، روزے کا دیا، جو بھی پیغام دیا وہ پہنچا دو اور اگر نہ پہنچا یا تو رسالت کا حق ادا نہیں ہوا۔ تو اگر آیہ درود آئے اور نبی یہ نہ بتلائیں کہ درود کیا ہے، اگر آیہ مودت آئے اور نبی یہ نہ بتلائیں کہ کس کی مودت، اگر آیہ صدقہ آئے اور نبی یہ نہ بتلائیں کہ کس پر صدقہ حرام ہے اگر آیہ مباہلہ آئے اور نبی کہہ دیں کہ میں تو گھر میں بیٹھا ہوں تم جاؤ بچوں کو لے کر، اور اسی طرح اگر آیہ جہاد آئے اور پیغمبر کہیں کہ جس کو جانا ہے وہ جاے یہ حکم آیا ہے۔ تو پھر کیا ہوگا؟ "فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ" یعنی رسالت کا حق ادا نہیں کیا آپ نے۔" رسالت کا حق تو اُسی وقت ادا ہوتا ہے کہ جب آیت آئے اور عمل کر کے دکھلا دیا جائے۔ اسی واسطے جب آیت آئی تو عمل کر کے دکھلایا۔ اب اختلاف جو بہت سی چیزوں میں آیا وہ یہ آیا کہ عمل کیا کہ نہیں کیا؟۔

تیرہ سو برس گزر گئے یہ ٹوٹتے ٹوٹتے کہ اس آیت کے بعد کیا کیا؟
 اگر ایک مرتبہ بھی معلوم ہو جائے، پڑھنے کا موقع ملے تو پھر کریدنے کی کیا ضرورت
 ہے۔ شدہ میں مرنے والے صاحبِ مستدرک "حاکم" نے اپنی کتاب میں صحیحین
 کے راویوں سے روایت کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ آیہ تطہیر
 نازل ہوئی تو حسن و حسین و فاطمہ و علی کو چادر میں لے کر کہا کہ پروردگار! یہ
 میرے اہل بیت ہیں، تو ملک نے پکار کے کہا:

"إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ
 أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا" (سورہ احزاب آیت ۳۳)
 ترجمہ: بیشک اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت (رسول) کہ وہ تم سے
 ہر قسم کے رجس کو دور ہی رکھے اور تمہیں اسی طرح طاهر رکھے
 جو طہارت کا حق ہے۔"

تو یہ مستدرک میں موجود ہے۔ اب اور کیا کریدنا ہے، آیت آئی
 اور غسل ہو گیا یعنی سمجھانا نہیں ہے، بلکہ غسل کر کے دکھلانا ہے۔ بالکل اسی
 طرح آیہ مودت نازل ہوئی، بتلایا کہ دیکھو ان کی مودت واجب ہے۔ تمام
 علمائے اسلام نے اور تمام فقہاء نے لکھا: جب آیہ مباہلہ آئی تو مفسرین نے
 لکھا اور شیخ الاسلام مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی اپنے تفسیر قرآن کے حاشیے
 میں لکھا کہ سوان کے کوئی نہیں کیا۔ جب اتنی باتیں سمجھ میں آگئیں تو پھر چلو کہ وہ
 نبی کہ جس پر نگاہ حق ہے وہ اقربا پروری کرے؟ وہ اپنے بچوں کے لیے یہ
 سب کچھ کرے؟ نبی کی دور کی نگاہ یہ جان رہی تھی کہ آج میں ایک ایک منزل
 پر عمل کر کے دکھلا رہا ہوں، مگر میرے مرنے کے بعد یہی میری بیٹی میری قبر پر
 آکر فریاد کرنے والی ہے۔ تطہیر میں لے لیا، مباہلہ میں ساتھ لے گئے، انکی

موت واجب قرار دے دی، مگر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ میری قبر پہ آکے کہے گی کہ: "بابا! آپ کے بعد مجھ پر وہ مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ روزائے روشن پہ پڑتیں تو وہ شبِ تار سو جاتے۔ نبی کو علم تھا۔

نگاہِ نبوت جو قیامت تک دیکھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ: "نبی نے کہا اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر، کہ "میں اور قیامت یوں ساتھ ساتھ جا رہے ہیں۔" جو یہ کہے کہ قیامت کے دن میں حوضِ کوثر پہ کھڑا ہوں گا اور لوگ جو حق و حقوق جائیں گے، ملائکہ کسی پہ عذاب کریں گے تو میں کہوں گا: ارے یہ تو میرے ساتھ تھے، تو ملائکہ جواب دیں گے، آپ کو نہیں معلوم کہ انھوں نے کیا کیا؟ یہ صحیح بخاری میں تین مقامات پر ہے۔ یعنی جو قیامت کو بھی اس طرح سے دیکھے کہ جیسے آج، جیسے ابھی۔ جو قیامت کو اس طرح سے دیکھے کہ جیسے آپ دیوار پہ کھڑے ہو کر اُدھر بھی دیکھیں اور اُدھر بھی دیکھیں۔ تو نبی "ذَنی فَتَدَلِّی" کی منزل سے دنیا کو بھی اور آخرت کو بھی دیکھ رہا تھا، تو قیامت تک دیکھنے والا نہ رہ کر نہیں دیکھ سکا کیا؟ دیکھا اور جب وقتِ رحلت حیثین آئے تو کہا...

"بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں کہ تیرے سر کو یزید کے پاس تحفے لے جا رہے ہیں۔" اس کے معنی یہ ہیں کہ حیثین کے جس کو مَدِیْنَت کی منزل دی کہ جس کے بارے میں کہا: "حُسَيْنٌ مِّنِّیْ وَ اَنَا مِنْ الْحُسَيْنِ" اس کے لیے کہا کہ تیرا سر تحفہ جا رہا ہے۔ تو وہ سر حیثین نہیں گیا عزیزو، خود رسولؐ اُگے وہ رسولؐ کا سر گیا تو ایسی منزل پر پہلے سر کا رسالت کو سمجھو، اُن تمام آیات کو دیکھو کہ جن میں عصمتِ رسولؐ پر گفتگو ہے اور اس کے بعد علیؑ رسولؐ کو دیکھو احادیث کی کتابوں سے دیکھو صحیح بخاری میں دیکھو صحیح مسلم میں دیکھو مستدرک حاکم

میں دیکھو، امام احمد ابن حنبل کی ضخیم مُسند کی جلدوں میں دیکھو کہ کیا کیا :-
 ”بیٹی زہرا! تو میرے دل کا ٹکڑا ہے، جس نے تجھے اذیت دی اُس نے
 مجھے اذیت دی۔“

اور صحیح بخاری میں تو یہ ہے کہ ”جس نے تجھ کو غضبناک کیا اُس نے مجھ کو
 غضبناک کیا۔“

اسی کو مستدرک نے بھی لکھا۔ کیا بیٹی جان کر یہ کہا، کیا خدیجہ کی اولاد جان کر
 یہ کہا، یا یہ جان کر، کہ اللہ کی بھی مرضی یہی ہے۔ تو جب اسلام پہ وقت آئے گا
 تو یہی گھرانہ ہوگا جو آگے آئے گا۔ اگر اسلام میں فقط رسولؐ کے بعد کامیاب شاہیاں
 ہوتیں، شہنشاہیاں ہوتیں، Empire، Empire پہ درست ہوتے۔
 جیسے کہ ہوتے، اور اگر اسلام کے کسی گوشے میں درد کا یہ پہلو نہ ہوتا جو پہلو کر بلا
 سے آیا تو آج اسلام کا کیا حال ہوتا؟ شاہی مجلس کا موضوع نہیں ہے شاہی ہمارے
 تذکرے کا عنوان نہیں ہے۔ اس لیے کہ سیاست سے ہم غیر مربوط ہیں، ہمارا عنوان
 حفظِ اسلام ہے، حفظِ دین ہے اور حفاظتِ دین ہے اور حفاظتِ دین کے
 لیے اسلام میں ایک گوشہ لازم تھا جو گوشہ محیط ہو جائے پورے اسلام کے باب
 پر اور وہ گوشہ تھا کر بلا۔ جہاں سے درد اور درد کے ساتھ پیغام ملا۔

عزیزو! یاد رکھو کہ اگر کر بلا نہ ہو تو اسلام کا تصور کچھ اور ہوگا۔ یعنی
 اسلام منفی کر بلا، تو کچھ نہیں۔ یعنی اسلام (منفی) کر بلا، تو سچا کچھ بھی نہیں۔
 یعنی اسلام کر بلا ہے اور کر بلا اسلام ہے، تو ان باتوں کو سمجھنے کے لیے دیکھو
 کر بلا اور محترم کی ساتویں کو اتنا بڑا مجمع یہاں ہے اور کن کن راستوں سے گزرتے
 ہوں گے آپ اور ہر راستے پر یکس کے نام کی سبیلیں لگی ہیں، یکس کی یاد میں
 سبیلیں لگی ہیں، یہ ہے معجزہ کر بلا کا، کیا کوئی اور ہے؟ کیا کسی بادشاہ کے نام پر

کسی حکمران کے نام سے ہے، کسی گورنر کے نام سے ہے۔ ایک اور بس ایک ہی آواز۔ "سبیل حسین" پیاسوں کی، کربلا والوں کی سبیل۔

تو میری گذارش یہ ہے کہ آپ کسی مکتب فکر کے سہی اور وہ کتنی چھوٹی سبیل سہی، اگر سبیل پر سے گزرو تو اُس کو حقارت سے نہ دیکھو، ممکن ہے کہ کہیں کوئی بی بی کھڑی ہو، پانی پو پانی۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ "اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ رکھا ہے۔" پانی وہ لا قیمت شے ہے کہ اگر کوئی کسی سے مانگے تو اُن واحد کے لیے بھی بار نہ ہو، چہ جائیکہ اگر باپ سے بیٹا کہے "بابا! پانی" تو وہ باپ کتنا مظلوم ہوگا جو یہ جواب دے "کیا کروں علی اکبر!" ساتویں محرم پانی بند ہو گیا۔ آج ایک ایک سبیل کے پاس سیدانی جاتی ہوگی کہ میرے بچے کے نام کی سبیل ہے۔ پانی زندگی ہے پانی حیات ہے۔ دنیا میں کہیں بھی تاریخ نے ایسا سانحہ پیش نہیں کیا ہوگا کہ اس طرح سے پانی سے محروم کیا جائے۔ چھوٹی بچی، تین برس کا سن وہ ایک خیمے سے دوسرے خیمے میں جاتی ہے کہتی ہے پھر بھی اماں! پانی، پھر دوسرے خیمے میں جاتی ہے چچی جان! پانی۔ پھر تیسرے خیمے میں جاتی ہے کہتی ہے بھائی! پانی۔ اور جب کہیں پانی نہیں ملتا تو ایک مرتبہ چُپ ہو جاتی ہے۔ تو ایسے میں چاہنے والا چچا آتا ہے اور کہتا ہے "سکینہ! بہت پیاسی ہو" کہا، ہاں چچا جان بہت پیاس لگی ہے۔ کہا "بیٹی جا کے ایک مشک تو لے کے آؤ" سکینہ مشک لے کے آئیں تو سکینہ کو گود میں اٹھایا، ہاتھ میں مشک لی خیمے کے پردے کو اٹھایا حسین نے دیکھا اور دیکھ کے کہا۔ عباس میں سمجھ گیا تھا! مطلب۔ اللہ کبھی کسی کو اس طرح سے پیاسا نہ رکھے حسین نے کہا عباس! تم اپنے سفارش کو لائے ہو۔ کہا "سکینہ! کیا چاہتی ہو؟ تو سکینہ نے کہا کہ بابا میں بہت پیاسی ہوں اور چچا کہتے تھے پانی لاؤں گا۔ تو روکے کہنے لگے بیٹی تیرا چچا پھر نہیں آئے گا بیٹی۔۔۔ تیرا چچا اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ پھر

شعراے اُردو اور عشقِ علیؑ

ایک یادگار صحیفہ

الحاج علامہ سید ضمیر اختر نقوی

چودہ سو برس سے میرے مولائے کائنات حضرت علیؑ رضی اللہ عنہ کو شاعری نے جو غراجِ عقیدت پیش کیا ہے، اسے ذخیرے کا انتخاب اور تجزیاتی مطالعہ

۸۰ صفحات کی ضخیم کتاب آپ کے مطالعہ کیلئے شائع ہو گئی ہے۔

ناشر

مرکزِ علومِ اسلامیہ

مجلسِ ششم

- ۱۔ اللہ نے علم کی وجہ سے انبیاء کو فضیلت عطا کی۔
- ۲۔ نبیؐ اس علم کا حامل ہوتا ہے کہ جس میں امکانِ خطا نہیں۔
- ۳۔ علم سے متعلق قرآن میں آیات۔
- ۴۔ علمِ قرآن نے مسیحیت کی لاج رکھ لی۔
- ۵۔ شبِ قدر میں نزولِ علمِ الہی ہوتا ہے۔ سلسلہ علم رکنا نہیں ہے۔
- ۶۔ بیج البلاغہ اور علم۔
- ۷۔ دین کا کام جمہور سے نہیں، وحی سے چلتا ہے۔
- ۸۔ قرآن بھی علم ہے اور بیان بھی علم ہے۔
- ۹۔ خیبر کی حدیثِ رأیت ”بیان ہے۔
- ۱۰۔ اسلام کے علمبردار اور کلامِ میرا نہیں۔
- ۱۱۔ عظمتِ عباسؓ، حسینؓ کی نظر میں۔

عشرہ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء نشتر پارک کراچی
۸ محرم ۱۴ مارچ

مجلسِ ہشتم

”علمِ معصوم“ کے عنوان پر آپ اسٹھویں تقریر سماعت فرما رہے ہیں عنوان کو سننے کے بعد ایک سوال جو آپ کے ذہن میں آسکتا ہے وہ یہ ہے کہ علمِ معصوم کے مفہوم میں ایک معنی یہ بھی پیدا ہو سکتے ہیں کہ کوئی علم ایسا بھی ہو سکتا ہے بظاہر علمِ معلوم ہو مگر مغالطہ ہو۔ علمِ معصوم ہی کے عنوان سے آپ یہ سمجھیں گے کہ ممکن ہے کچھ علوم ایسے بھی ہوں جو مسلسل ارتقاء کے عالم میں ہوں۔ گزشتہ زمانے کے مفکر کی ایک غلطی کو آنے والا مفکر بتلائے، اُس کی اصلاح کرے اور اس کا رواں کو لے کر آگے بڑھ جائے۔ چنانچہ تاریخِ فلسفہ اس بات پر شاہد ہے کہ ہر ایک فلسفی کے متعلق آنے والے فلسفی نے کہا کہ غلطی یہاں کی تھی، یہ ہونا چاہیے تھا۔ ”علمِ معصوم“ سے میری مراد یہ ہے کہ وہ علم جو خالق کی طرف سے آئے جس میں نہ خطا کا امکان ہو نہ تبدیلی کا امکان ہو، نہ اُس زمانے کے تغیر سے متغیر ہو جائے، نہ وہ زمانے کے فنا ہونے سے فانی ہو جائے، بلکہ وہ علم کائنات کے ساتھ ساتھ چلے جب تک خدا چاہے وہ علم رہے اور اسی علم کی بدولت انسانیت ہمیشہ ہدایت پاتی رہے۔ یہ علم ہر دور میں ذاتِ واجب نے چُن چُن کر اپنے بندوں کو دیا۔

”وَلَقَدْ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ“

(سورہ دُخان آیت ۳۲)

”اور ہم نے انھیں پسند (برگزیدہ) کیا جان بوجھ کر تمام عالمین پر“
(یعنی ہم نے) عالمین پر فضیلت دی تو علم ہی کی وجہ سے فضیلت دی۔ مصلحتوں

کی وجہ سے نہیں، دولتوں کی وجہ سے نہیں، بلکہ علم دیا اور علم کی وجہ سے ان کو فضیلت دی اور اسی منزل پہ ارشاد ہوا:

”وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ سُلَيْمَانَ عِلْمًا“ (سورہ نمل آیت ۱۵)
 ”اور ہم نے داؤد و سلیمان کو علم دیا“

اور اسی مقام پہ ارشاد ہوا کہ: ”ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو علم دیا۔“
 ”إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ
 عَلَيْكَ وَ عَلٰى وَاٰلَتِكَ ؕ اِذْ آتٰتُكَ رُوحِ
 الْقُدُسِ تَهْتَئِكُمُ النَّاسُ فِى الْمَهْدِ وَ كَهْلًا
 وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرَةَ
 وَ الْاِنْجِيْلَ ۚ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۱)

”جب اللہ نے کہا اے مریم کے فرزند عیسیٰ! میری اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر کی گئی، جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد فرمائی، کہ تم لوگوں سے گہوارے میں اور ادھیر عمر میں یکساں کلام کرتے تھے اور جب میں نے تمہیں کتاب و حکمت اور توریت اور انجیل کا علم دیا۔“

اسی منزل پر حضرت خضر کے بارے میں ارشاد ہوا:

”اٰتَيْنَا رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّا لَدُنَّا
 عِلْمًا“ (سورہ کہف آیت ۶۵)

”ہم نے اُس کو اپنی (جناب) نزدیکی سے رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اُس

کو اپنی بارگاہ سے علم عطا کیا۔“

نبی بغیر علم نہیں، یہ نبی کی وہ خصوصیتِ خاص اور کیفیتِ خاصہ ہے

جو نبی کو حاصل ہے، وہ علم ہی سے ہے۔ یعنی نبی اس علم کا حامل ہوتا ہے کہ جس میں امکانِ خطا نہیں ہے۔

میرے مولا کا خطبہ جو مولانا کو فے کے منبر سے ارشاد فرمایا:
 ”لَمْ يُخْلِ اللَّهُ سُبْحَانَهُ خَلْقَهُ مِنْ نَبِيِّ مُرْسِلٍ أَوْ
 كِتَابٍ مُنْزَلٍ أَوْ حُجَّةٍ لَازِمَةٍ أَوْ فَحْجَةٍ قَائِمَةٍ
 (منہج البلاغہ موضوعی طبع تہران ص ۲۱)

”اللہ سبحانہ نے کبھی کسی زمانے کو نہ حجت لازمہ سے خالی رکھا
 نہ نبی و رسولوں سے خالی رکھا نہ کتاب سے اور نہ حجت قائمہ سے
 خالی رکھا۔“

حجت کے متعلق کہا جا چکا ہے کہ:

”الْحُجَّةُ بَيْنَ الْعَبْدِ وَالْمَعْبُودِ وَهُوَ الْعَقْلُ“
 ”عبد اور معبود کے درمیان جو حجت ہے وہ عقل ہے۔“
 ”الْحُجَّةُ بَيْنَ الْمَعْبُودِ وَالْعَبْدِ وَهُوَ الرَّسُولُ“
 ”معبود اور عبد کے درمیان جو حجت ہے، وہ رسول ہے۔“

تو کسی زمانے میں کوئی ایسا وقت نہیں گذرا کہ جبکہ جتنوں سے زمانہ
 خالی رہے۔ اسی لیے ارشاد فرمایا۔ امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں:

”وَمَا بَرَّحَ اللَّهُ، عَزَّتْ الْأَوْدُ، فِي الْبُرْهَةِ بَعْدَ الْبُرْهَةِ،
 وَفِي أَرْزَامِ الْفُتُرَتِ، عِبَادًا نَاجَاهُمْ فِي فِكَرِهِمْ، وَ
 كَلَمَهُمْ فِي ذَاتِ عَقُولِهِمْ“ (منہج البلاغہ موضوعی طبع تہران ص ۲۲)
 ”اللہ ہی کے لیے ہر دور میں ایسے بندے رہے ہیں کہ اللہ نے تنہائی میں
 ان کی فکر سے باتیں کی ہیں اور اللہ نے ان کی عقل سے کلام کیا ہے۔“

تو ایسے بندوں کا زمانہ فُتُرَتْ میں ہونا ضروری ہے کہ ذاتِ واجب —
ہدایت کے لیے کسی کی فکر کو، کسی کی عقل کو اپنے کلام کا اور اپنے ارشادات کا منظر
بنائے، آئینہ بنائے۔

اسی طرح سے صدیاں گزریں، اسی طرح سے قرن گزرے، اسی
طرح سے باپ دادا گئے اور آنے والے آئے اور اسی طرح سے آئے:
"رُسُلًا لَا تَقْصُرُ بِهِمْ قِلَّةُ عَدَدِهِمْ وَلَا كَثْرَةُ
الْمُكَذِّبِينَ لَهُمْ مِنْ سَابِقِ سُتَى لَهُ مِنْ بَعْدُ
أَوْ غَايِرِ عَرَفِهِ مِنْ قَبْلِهِ عَلَى ذَلِكَ نَسَلَةُ الْقُرُونِ
وَمَضَتْ الدُّهُورُ وَسَلَفَةُ الْأَبَاءِ وَخَلَفُ الْأَبْنَاءِ"
بعد کا آنے والا یہ بتلاتا تھا کہ مجھ سے پہلے کون آیا، کبھی ایسا ہوتا تھا
کہ پہلے آنے والا یہ بتلا کے جاتا تھا کہ بعد میں کون آنے والا ہے۔
اس طرح سے یہ سلسلہ حجت آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ کرامتِ الٰہی ختمی مرتبتؐ
یہ ختم ہوئی اور اس منزل پر بھی ختمی مرتبتؐ کے لیے سورۃ صفت میں ارشاد ہوا:
"وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ"
(سورۃ صفت آیت ۲۱)

حضرت عیسیٰؑ نے حضورؐ کے لیے کہا "اور (میں) بشارت دینے والا ہوں
اُس رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔"
تو جانے والے نے خبر دی کہ آنے والا کون ہے، اور آنے والے نے خبر دی
کہ جانے والا کون ہے۔ تو یہ ایک ایسا سلسلہ علم تھا کہ جہاں کسی نے کسی کے
علم پر نکتہ چینی نہیں کی، یعنی جہاں کسی نے کسی گزشتہ ہادی کے علم پر نکتہ چینی
نہیں کی۔ یہاں تو ہدایت کرنے والے نے اپنی آراء کو تضاد کے عالم میں متضاد

بنا کر کبھی پیش نہیں کیا بلکہ ایک نے دوسرے کا ساتھ دیا، تو پتہ چلا ایک سلسلہ ہے اور ایک زنجیر ہے جہاں علم، عقل، دانش، بینش، ہوش، آگاہی یہ سب کے سب ایک ہی راہ پر گامزن ہیں۔ منزل معین ہے اور کبھی کسی مقام پر یہ نہیں ہے کہ فلسفیوں کی طرح سے یا دوسرے علما کی طرح ایک دوسرے پر نکتہ چینی کریں۔ ایک نے دوسرے کی غیبت نہیں کی، ایک نے دوسرے کی بُرائی نہیں کی۔ پس یہی توفیق ہے قرآن میں اور تمام آسمانی صحیفوں میں کہ آج جو توریت مسخ شدہ حالت میں ہے۔ اس میں حضرت داؤد پر الزام ہے بدترین اخلاقی کیفیت کا۔ آج جو توریت آپ کے ہاتھ میں ہے اُس میں انبیاء پر الزام ہے کسی پر چوری کا الزام ہے، کسی پر غیبت کا الزام ہے، کسی پر مال کے اٹھالے جانے پر الزام ہے، کسی پر اس سے اور زیادہ الزام، یہاں تک کہ کوفے کے منبر پر حضرت علی علیہ السلام کو یہ کہنا پڑا، اگر کسی نے میرے عہد حکومت میں توریت کو پڑھنے کی کوشش کی اس لیے کہ انبیاء کی توہین ہو، اُس پر حد جاری کروں گا۔ محافظِ عصمت، انبیاءِ مابقی ہے ولی بھی اور قرآن بھی۔ قرآن نے انبیاء کی جو عزت رکھ لی، خدا کی قسم — قرآن نے عیسائیت اور یاپائیت کی جتنی مرد کی ہے، جتنی مرد کی ہے گرجا کی، شاید دنیا کی کسی طاقت نے اتنی مدد مسیحیت کی نہیں کی ہے، اس لیے کہ سارے یہودیوں نے مریم پر زنا کی تہمت لگا دی تھی یہ قرآن ہی تھا جس نے آگے بڑھ کر کہا:

”يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ
عَلٰى نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ ۝“ (سورہ مآل عمران آیت ۴۲)

”اے مریم! اللہ نے بلاشبہ تم کو مصطفیٰ کیا، اور (اللہ نے) تم کو طاہر کیا اور (اللہ نے) تم کو عالمین کی عورتوں پر برگزیدہ کیا۔“

مسیحیت کی لاج رکھ لی قرآن نے، اور مسیحیت کے ماننے والے مسلمانوں کی ضد پر یہودیوں کی مدد کر رہے ہیں، اُن یہودیوں کی جنہوں نے مسیحیت کو ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ لیکن قرآن نے سیاسی نکتہ نگاہ سے حفاظت نہیں کی تھی، بلکہ قرآن جان رہا تھا کہ مریم طاہرہ ہیں، عیسیٰ نبی ہیں، زکریا نبی ہیں، یحییٰ نبی ہیں۔

(اور اس کے بعد آپ (OLD TESTAMENT) - اور - (NEW TESTAMENT) چاروں ابواب کو کھول کر دیکھیں گے تو پتہ چلے گا کہ حضرت مریم کے متعلق کیا گفتگو کی جاتی ہے اور کس طرح سے عیسیٰ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ پوری بائبل میں ایک بھی لفظ عیسیٰ کے شایانِ شان نہیں ہے قرآن نے نہ فقط انبیاء کی عزت رکھی، بلکہ آسمانی صحف کو اُسی طرح سے پیش کیا کہ اگر وہ سچائی اور صداقت پر باقی رہتے تو قرآن یہ کہتا، ہم میں توریت بھی ہے انجیل بھی ہے، زبور بھی ہے، یہ ایک صحیفہ ہے جو مجموعہ صحفِ الہی ہے۔ قرآن نے کہا یہ کیسے صحیفے ہیں۔

”فِي صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ ۖ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۚ بِإِذْنِي سَفَرَةٍ ۚ كَوَامٍ بَرَكَةٍ ۚ“ (سورہ عبس آیت ۱۶ تا ۲۲)

”کرامت والے صحیفوں میں، بلند رتبہ اور پاک (ایسے) لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے جو کرامت والے نیکو کار ہیں۔“

قرآن نے آسمانی صحیفوں کی طہارت کا اعلان کیا، قرآن نے انبیاء کی عصمت کا اعلان کیا۔ بہر صورت ایک سلسلے کو بتایا کہ یہاں سے یہاں تک یہ سلسلہ آیا،

اب ہم مولائے کائنات امیر المومنین علیؑ کے اُس خطبے پر واپس

آجائیں ————— یہاں تک کہ ختمی مرتبت تشریف لائے، اس لیے آئے کہ اُس کا وعدہ پورا ہو جائے، نبوت درجہ تمام پر چلی جائے، اس کے بعد ارشاد فرمایا، کون نبی؟ اس کا گھرانہ بہترین گھرانہ:

”عِثْرَتُهُ خَيْرُ الْعِثَرِ، وَشَجَرَتُهُ خَيْرُ الشَّجَرِ،
نَبَتَتْ فِي حَرَمٍ، وَبَسَقَتْ فِي كَرَمٍ“

”اُس کی عترت، بہترین عترت، اُس کا درخت بہترین شجر، جو حرم میں اُگایا گیا اور کم کے سائے میں پروان چڑھا۔“

”لَهَا فُؤُوعٌ طَوَالٍ، وَثَمَرٌ لَا يُنَالُ“

”اُس کی ڈالیاں بہت طویل ہیں (مخشد تک جا رہی ہیں) اور اُس میں جو

پھل لگے ہوئے ہیں کسی کی مجال نہیں ہے کہ اُسے توڑے۔“

شجرِ محمدی میں جو پھل لگے ہوئے ہیں کسی کی مجال نہیں کہ اُسے کوئی توڑے، قتل کرنا اور ہے، شمر کی حقیقت اپنے مقام پر باقی ہے، قتل کرنے سے شمر، شجر سے الگ نہیں ہوتا، شمر ختم نہیں ہوتا، قتل کی کوشش سے، ایک بات آپ سے پوچھوں، ملتِ اسلامیہ آج بتلائے، اللہ اور رسول کو گواہ کر کے بتلائے پیغمبر کا دشمن ابتر ہے۔ سورہ آپ کو یاد ہے:

”إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۚ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۚ“ (سورہ کوثر)

”بیشک ہم نے تم کو کوثر عطا کیا، پس اپنے رب کے لیے نماز ادا کرو

اور قربانی دو۔ بیشک آپ کا دشمن ابتر ہے۔“

تیرا دشمن دُم بریدہ ہے۔ تیرا دشمن بے خلف ہے، تیرے دشمن کا کوئی تسلسل نہیں ہے۔ نہ فکر کا تسلسل ہے، نہ اولاد کا تسلسل ہے، نہ نسلوں کا تسلسل ہے

مطلب یہ ہے کہ پیغمبرِ ابتر نہیں ہیں۔ ابتر کے کیا معنی ہیں۔ جس کا سلسلہ نہ ہو۔ پیغمبر کا دشمن ابتر ہے، پیغمبرِ ابتر نہیں ہیں اس لیے کہ ایک بیٹی ہے بیٹی کی اولاد چلی تو بیٹی کی اولاد اُبناؤ نا بن کے چلی، محشر تک جا سکی۔ یہاں سلسلہ صحیح، حق، اور ان کے علاوہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ سلسلے کیسے آئے مگر یہ کہوں گا کہ نبی کا دشمن ہے تو وہ ابتر ہے۔

نبی کے اولادِ نرینہ زندہ نہ رہتی تھی تو لوگ آکر کہتے تھے کہ یہ تو لالہ ہے، یہ محروم ہے، یہ تو ابتر ہے۔ عرب میں ابتر اُس کو کہتے ہیں جس کے بیٹا نہ ہو، پیغمبرِ رنجیدہ ہوئے، آواز آئی، نہیں، ہم نے کوثر عطا کر دیا، کوثر دیا، خیر کثیر دیا، سلسلہ اولاد دے دیا، اس سلسلے کو محشر تک جانا ہے، یہ سلسلہ ختمی مرتبت پر رُکا نہیں، یہ آگے بڑھنا چلا، یہ کہاں ہے، کس مقام پر ہے، مجھے نہیں معلوم۔ لیکن قرآن کے پڑھنے والوں کو سورۃ قدر یاد ہے :

” تَنْزِيلُ الْمَلِكَةِ وَالتَّوْحُّ فِيهَا يَأْتِي ذُرِّيَّتَهُمْ
مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ۖ سَلَامٌ هِيَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۖ “

” ملائکہ نازل ہوتے ہیں امرِ الہی کو لیکر۔ یعنی علم معصوم جاری ہے علم معصوم مسلسل ہے، ملک پہاڑوں پر نہیں آتے، دریاؤں پر نہیں آتے، ملک خانہ کعبہ کی چمکت پر نہیں آتے، لوگوں نے تو یہ کہا کہ کبھی کبھی القاء ہوتا ہے، مگر آج تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ شبِ قدر میں مجھ پر فرشتے آتے ہیں۔ اور ادھر قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ ہر سال شبِ قدر آتی ہے، ملائکہ نازل ہوتے ہیں۔ اپنے بندوں میں جن کے درجوں کو بلند کرتا ہے اُس پر ملائکہ کو نازل کرتا ہے۔

”رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ (سورہ مومن آیت ۱۵)

درجوں کا بلند کرنے والا، مالکِ عرش، اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے (اُس پر) روح النفاذ کرتا ہے (وحی نازل فرماتا ہے)۔

اس پوری کائنات میں کوئی نہ کوئی بندہ اللہ کا پسندیدہ ضرور ہے اگر انکار کر دیا تو وجودِ باری سے انکار ہوگا۔ تیسلم کرنا پڑے گا کہ علم میں مسلسل ہے وہ۔ علم معصوم آگے بڑھ رہا ہے۔ اس منزل پر غور کیجیے، ہر سال شبِ قدر آتی ہے، شبِ قدر میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں، ملائکہ کسی عبد پر آتے ہیں، پہاڑوں پر نازل نہیں ہوتے، عبد کا وجود لازم ہے۔ وہ مُرشد سہی وہ عالم سہی، وہ پیر سہی، وہ قطب سہی، وہ ابدال سہی، وہ ولی سہی، مگر ایک بات کو طے کرنا پڑے گا۔ وہ یہ کہ ولی کون ہوتا ہے؟ ولی کی تعریف کُن لیجیے

”إِنَّ اللَّهَ لَا يَتَّخِذُ جَاهِلًا وَلِيًّا“

”بیشک اللہ جاہل کو ولی نہیں بناتا“

گفتگو علم کی ہے، ذاتِ واجبِ عینِ علم ہے، ولایت کے معنی لغت میں ہیں ”قُرْبَت“۔ ! ولایت کے معنی ہیں تقرب، ولایت کے معنی ہیں نزدیکی، ولی وہ ہے جو نزدیک ہو، عالم کے قریب جاہل نہیں رہ سکتا، اس لیے خدا کسی جاہل کو ولی نہیں بناتا۔ اب جو کوئی بھی ولی ہو، قطب ہو، ابدال ہو، جو علم کا مرکز ہو وہ قبول کا مادہ رکھتا ہو۔ (EFFICIENCY) یعنی قبول کرنے کا مادہ رکھتا ہو۔ ادھر سے عطا ہوا دھر سے قبول۔ اس علم کے دور میں زمانہ حجت سے خالی نہیں ہے، محی الدین عربی نے فتوحاتِ مکی

میں کہا کہ ”وجودِ حجت کا اگر کوئی انکار کر دے تو وہ عقل سے عاری ہے“
 انھوں نے ایک مسلسل باب قائم کیا۔ نصوص موجود ہیں۔ امیر المومنین علیؑ سلام
 کے خطبے کی طرف پھر واپس چلیے : اور پھر سورہ نور کی چند آیات۔

”وہ شجر بہترین شجر ہے، اُس کے ثمر کو کوئی پانہیں سکتا۔“
 ”مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكُوَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۚ الْمِصْبَاحُ فِي
 رُجَاةٍ ۚ الرُّجَاةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ
 مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا شَرْقِيَّةٍ وَلَا
 غَرْبِيَّةٍ ۚ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضَيُّ ۚ وَكَوَلَوْ تَمَسَّهُ
 نَارٌ ۚ نُّورٌ عَلَى نُورٍ ۚ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ
 (سورہ نور آیت ۲۴-۲۵)

”ایک کوبِ درّی ہے جو شجرہ مبارکہ سے مسلسل چمک رہا ہے، اللہ نے
 اپنی مثال دی ہے۔ میرے نور کی مثال ایک شجر ہے، اس کی مثال محراب
 محراب میں چراغ ہے، چراغ فالوس میں ہے، وہ کوبِ درّی کی طرح
 چمک رہا ہے، وہ کوبِ درّی ایک شجر مبارک سے ہے، جو نہ شرقی،
 نہ غربی قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے حالانکہ آگ نے اُسے چھوا
 بھی نہ ہو نور بالائے نور۔ اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے ہدایت
 کرتا ہے۔“ اور وہ شجر مبارک کون ہے ؟ ارشاد ہوا :

”ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ
 أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۚ تُؤْتِي أُكْلَهَا
 كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ
 لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ (سورہ ابراہیم آیت ۲۴-۲۵)

” کلمۃ طیبہ کی مثال شجرہ طیبہ کی سی ہے، اُس کی جڑیں زمین میں مضبوط
ہیں، اُس کی ڈالیاں آسمان میں ہیں، (سلسلہ یوں جارہا ہے کہ
اصل زمین میں ہے، فرع آسمان میں ہے، آپ بستی میں دیکھ رہے ہیں
سلسلے کو۔) یہ درخت ہر زمانے میں پھل دیتا ہے اپنے رب کے حکم سے
اور اللہ تو ایسی ہی مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے تاکہ تذکر و نصیحت
حاصل کریں۔“

شجرہ بے ثمر نہیں ہے، ثمر بندوں پر ہے، کسی کی مجال نہیں ہے جو اُس
ثمر کو نقصان پہنچا سکے، کسی کی مجال نہیں ہے جو اُس ثمر کو اپنا ہدف بنا سکے۔
اب غور کیجیے، اگر شب قدر مُکمل ہے، پھر نزولِ ملک لازم ہے، اور نزولِ
مُلک امرِ الہی کے ساتھ ہے، امرِ الہی بغیرِ عِلم کے نہیں ہے، اُس علم کو لے کر
ملا کہ آرہے ہیں، اپنے بندوں میں سے جن کو پسند کرتا ہے اُس پر نزولِ ملک ہے،
وہ کہیں ہے، وہ بندہ کہیں ہے، نظر نہیں آتا، چھپا ہوا ہے، دکھائی نہیں دیتا
وجود لازم ہے، اس اعتبار سے ارشاد فرمایا، دیکھو، ہمیشہ یاد رکھو کہ اللہ کے
بندوں میں اُس کا ولی چھپا ہوا ہے، ولی بنانا نہیں ہے، تلاش کرنا ہے یہ
مقام ولایت ہے۔

اب تلاش کیا اور نہیں ملا، تو آؤ سب ملکر انتخاب کریں، یہ اپنے علم
کی ناکامی کا اعلان ہے، اب وہ جس منزل کے لیے چُنے، ہماری ناپختگی کا یہ
عالم ہے کہ ہم کامل کو نہیں ڈھونڈ سکتے، اسی لیے آؤ سب ملکر تلاش کریں۔
تلاش کرنے کا حق سیاست کو دیا، لیکن تلاش کو انتخاب سے بدل دیا جس کے
نقش قدم کو ہم اپنی سجدہ گاہ سمجھتے ہیں وہ سرورِ عالم، وہ فرما کائنات، وہ
دانا ئے سُبُل، وہ خیرِ رُسُل، وہ طے، وہ نیلس، وہ مَرَّیْل، وہ مدثر،

وہ حمؑ، وہ انسانِ کامل و اکمل جس کو دنیا ابھی تک پہچان نہ سکی، اُس انسانِ کامل نے آیتوں کے اُترنے کے وقت چناؤ کا موقع نہیں دیا، آیتِ قرنی آئی، لوگوں کے حوالے نہیں کیا کہ تم بتاؤ جس کا انتخاب کرو اُس کی محبت واجب ہو جائے :

”قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ بَيْنِي
الْقُرْبَىٰ“ (سورہ شوریٰ آیت ۲۳)

لوگوں سے نہیں پوچھا، بلکہ ”کنز العمال“ اور مستدرک حاکم ”دونوں کتابوں میں ہے کہ لوگوں نے پوچھا، اللہ کے رسول! یہ قرنی کون ہیں؟ ... ارشاد فرمایا: ”یَعْسَىٰ اور فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ۔“ سبھوں نے صاف صاف لکھا۔

آیہ تطہیر نازل ہوئی، لوگوں سے نہیں پوچھا کہ بتاؤ کس کو طہر سمجھیں؟ اپنی طرف سے اعلان کیا کہ ایک چادر لاؤ۔ چادر میں سب کو لے لیا، یہ میرے اہل بیت ہیں، میری پسند تیری پسند ہے۔ بالکل اسی طرح صدقے کی آیت آئی کہا، میری اولاد پر صدقہ حرام ہے قیامت تک صدقہ حرام ہے۔

کیوں نہیں پوچھا یہ، بات دراصل یہ ہے کہ:

”فِيمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا
غَلِظَ الْقَلْبُ لَا نَفُضُوا مِنْ حَوْلِكَ“ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ
فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ

(سورہ آل عمران آیت ۱۵۹)

”یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تو اُن پر مہربان ہے (اُن سے باتیں بھی کر لیتا ہے)“

اور اگر تجھے غصہ ہوتا (اور بار بار تجھے اس کی تکلیف ہوتی، یہ تیرے غصے کو دیکھ کے) تیرے نزدیک سے اُٹھ کر منتشر ہو جاتے (تیرا ساتھ چھوڑ دیتے) اس لیے اُن کو معاف کر دے، اُن کے لیے طلبِ مغفرت کر اور معاملات میں اُن سے مشورہ کر، مگر جب تو کسی بات کا عزم یا مجزم کر لے تو پھر اللہ پر بھروسہ کر، بیشک اللہ تو کل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

صرف یہ ایک ہی مقام پر مشورے کا ذکر ہے۔ وہ بھی اس طرح سے کہ تالیفِ قلوب، غصہ کرو گے تو چلے جائیں گے، یہ رحمتِ الہی ہے کہ تم ان سے باتیں بھی کرتے ہو، تم جس بلندی سے آرہے ہو اُس کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ ایسی منزل پر جب آیت پر آیت آئی تو یہ طے کر لیا، ہم اُمت سے پوچھیں گے نہیں کہ ساتھ ساتھ میں کون کون چلے گا، نصاریٰ نجران آگئے ہیں، آلِ عمران کی آیت آئی، ایک دن پہلے آیت آئی ممکن تھا سب کو بلا تے اور کہتے، یہ میرا آخری سال ہے، مسلمانو! تم بتاؤ کس کس کے بچے ساتھ میں چلیں گے۔ کون کون عورتیں باہر آئیں گی، کون کون نفوس ساتھ چلیں گے، کسی سے پوچھا؟ لیکن مشکل تھا۔ بچوں کو لانا، اس لیے کہ نصاریٰ نجران کے متعلق ایک ہیبت سی بٹھی ہوئی تھی دلوں پر، اُن کی تقدیس، اُن کے تقدس، اُن کی طہارت کی وجہ سے دنیا سمجھتی تھی کہ یہ دعا کر رہے اور فوراً عذاب آجائے گا۔ اور یہاں یہ اعلان ہو چکا کہ علم آگیا ہے۔

اب سب انتظار میں تھے کہ اُنسار میں کون آئے گا، سب اولاد ولے ہیں، نِسَاء میں کون جائے گا، سب کی عورتیں ہیں، سب کے نفوس ہیں، اور جب پیغمبرؐ چلے تو اس شان سے، دو ذرا سے، ایک بیٹی، ایک داماد کسی نے یہ پوچھا کہ ان کو کیوں لے جا رہے ہو، آخر ہم بھی تو ہیں۔ لیکن دہاں گفتگو جہود کی نہیں تھی، وحی کی تھی — !

وہاں گفتگو عوام سے نہیں تھی، حکیم الہی سے تھی — !
 اشارہ ربانی بھی تھا۔ وحی کی دو صورتیں ہیں، ایک تو وہ جو آیت بن کر آئے
 جو سورۃ بن کر آئے، جو وحی متلو قرار پائے (م۔ت۔ل۔و) وحی متلو قرار پائے
 جو تلاوت کے لیے ہو، اور ایک وحی وہ جو اشارہ بن کر آئے، تجلّی بن کر آئے، اور نبی
 کا دل ترجمہ کرے اور یہی وہ منزل ہے، جہاں قرآن بھی وحی ہے، بیان بھی وحی ہے۔
 یہی وہ منزل ہے جسے بیان کہتے ہیں :

”اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ عَلَّمَهُ
 الْبَيَانَ“ (سورہ رحمن آیت ۳۰-۳۱)

بیان کے معنی سمجھانا، قرآن کے معنی احکام سمجھنا۔ قرآن بھی وحی ہے، بیان
 بھی وحی ہے۔ یہ نہیں کیا کہ قرآن کو اپنے دے لے کر بیان کو اُمت کے حوالے کر دیا
 ہو کہ اب تم سمجھاتے چلے جاؤ، ہماری نظریں اسلام کی مختارِ کل ہستی ہیں، ان کا حلال
 قیامت تک کے لیے حلال ہے، اُن کا حرام قیامت تک کے لیے حرام ہے۔ اُس نے
 کسی کو روکا تو اُسے قیامت تک رُک جانا چاہیے، اور اگر اُس نے کسی کو اجازت
 دی ہے تو پھر کوئی اُسے قیامت تک نہ روکے۔ ہمارے نزدیک مقام خاتمِ عصمتِ مطلقہ
 ہے ہمارے نزدیک مقام خاتمِ مجبزا طاعت کے اور کچھ نہیں ہے، وہاں مشورہ
 نہیں ہے۔ ایک مرتبہ جب پورا اشکر لڑنے کو جا رہا تھا تو چُپ تھے، دیکھیں، جاؤ
 آج جاؤ، کل جاؤ، ایک اور دن جاؤ۔ واپس آئے تو کہا۔ بس اب کسی اور کو اختیار
 نہیں ملے گا۔ اب فیصلہ میرا ہے۔ ”کل علم دوں گا“ کسی سے پوچھ کر نہیں دوں گا
 مشاورت کی منزل پر نہیں دوں گا۔ مشورہ کر کے نہیں دوں گا، الیکشن یا
 VOTING SYSTEM سے نہیں دوں گا۔ بخاری نے دو مقامات پر
 اور مسلم نے تین مقامات پر لکھا ہے۔ ”متدرک“ نے چھ مقامات پر لکھا ہے

اور کنز العمال "میں مسلسل حدیثیں موجود ہیں، ایک دو کے سامنے نہیں بلکہ ہزاروں واپس آرہے تھے، اُن سب کے سامنے کہا: "کل علم مرد کو دوں گا" بڑی ندامت ہو چکی، بہت شکست کھا چکے، علم بہت سرنگوں ہو چکا، "کل علم مرد کو دوں گا" مسلسل حمد کرنے والا ہوگا، بھاگنے والا نہیں ہوگا۔ بخاری میں یہ پوری حدیث موجود ہے، اور پھر اس شان سے "وہ اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہوگا۔ جاہل خدا کو دوست نہیں رکھتا، اور اب پانچویں منزل خدا اور رسول اُس کو دوست رکھتے ہوں گے۔" ایسا نہیں کہ وہ محبت رکھے تو اُس کی سزا ہی نہ ملے۔ یہ عبد و معبود کی گفتگو ہے۔ یہ عبدیت کی منزل کمال ہے۔ اگر عبد کو معبود پر ناز ہے تو معبود کو عبد پر ناز ہے، وہ اُس وقت تک واپس نہیں آئے گا جب تک کہ خدا اُس کے ہاتھوں پر فتح نہ دے دے۔"

شبلی نعمانی "سیرت النبی" میں لکھتے ہیں: "رات بھرا جملہ صحابہ اسی فکر میں تھے کہ دیکھیں کہ یہ خوش قسمت کون ہے۔" اور جملہ یہ تھا کہ: اکثر و بیشتر اصحاب نے یہ فرمایا کہ ہماری تو نیند اُچٹ گئی، —! "پیغمبرؐ نے کسی سے پوچھا نہیں، "علمدار" کی تعریف ایک رات پہلے کر دی، دنیا جان لے کہ اتنی باتیں ہیں اُس میں، اب میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ لوگوں نے پہچانا نہیں ہوگا، اس لیے کہ کرا، غیر قرار، خدا اُس کے ہاتھوں پر فتح دیگا، لیکن ایک ایسی شرط لگا دی کہ خدا اور رسول کو وہ دوست رکھتا ہوگا، خدا و رسول اُس کو دوست رکھتے ہیں۔" اس منزل پر جب صبح ہوئی تو آواز دی "عشلی کو بلاؤ۔" یہ ہے سلسلہ عصمت، علیؑ حاجتِ علم بنے، گھوڑا حاضر ہوا۔ رکاب میں پاؤں رکھ کر سوار ہوئے، رسولؐ کی خدمت میں جھک کر تسلیم کی تو اتنا پوچھا، کب تک لڑوں؟ یہ ساری تاریخوں کے

الفاظ ہیں۔" نبیؐ نے ارشاد فرمایا: "یا علیؑ اُس وقت تک لڑنا جب تک یہ یہودی پکار کر نہ کہہ دیں لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ" !
 خیبر یہودیوں کا قلعہ ہے اس کے لیے عکوفیت کی ضرورت ہے
 ذہن میں رہے، اسی لیے بار بار اقبال کا یہ شعر پڑھتا ہوں:-

دانشِ افرنگیاں غارت گری

دیرِ ما خیبر شد از بے حیدری

خیبر ہیں لیکن حیدر نہیں ہے — رسولؐ نے خیبر میں علیؑ کو
 علم دیا، یہ رسولؐ کا عطیہ ہے، علم کو عسلی سے کوئی چھین نہیں سکا
 نماز پڑھتے میں قتل کر دینا اور ہے۔ کوئی نہ کہہ سکا کہ میدانِ جنگ میں ہم نے
 عسلی سے وہ علم چھین لیا، علم انھیں کے گھر کا ہو گیا، جعفر طیارؑ
 علم بردار ہیں، حمزہ علم بردار، عسلی علم بردار، پھر عسلی کا بیٹا علم بردار
 میرا تمیں نے ان سب علم برداروں کو ایک مرنے میں جمع کیا ہے :

عالم میں سو چار اداوال العزم علمدار اک حضرت حمزہؑ تھے تو اک جعفر طیارؑ
 بعد ان کے ہوتے زبِ علم حیدر کرار عباسؑ اب مصفب والا کا ہے مختار

کُرسی کے بھی پائے سے سوا پایا ہے رتبہ

کیا دست بہ دست اس کو یہ ہاتھ آیا ہے رتبہ

و

آج محرم کی آٹھویں تاریخ ہے، بس کل کی ایک تقریر ہی رہ جاتی ہے،
 پرسوں تو خاک اڑانے کا دن ہے۔ عباسؑ علمبردار، بچپن سے پالا ہے حسینؑ
 ابن علیؑ نے، بھائی نے بھائی کو گود میں پالا ہے، حسینؑ نے عباسؑ کا بہت خیال
 رکھا ہے۔ عباسؑ کا نام حسینؑ نے رکھا ہے، جب عباسؑ پیدا ہوئے تھے حسینؑ

نے گود میں لیس کر نام رکھا تھا عباس۔ علی نے پوچھا حسین! یہ نام کیوں پسند آیا؟ کہا عباس کے معنی ہیں پھر اسوا شیر۔ عالم یہ تھا، ہر وقت چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے۔ حسین پکارتے۔ عباس۔ عباس۔ عباس۔ عباس ادھر آؤ۔ عباس! ناقے تیار ہو گئے؟۔ کہا، ہاں۔ عباس! بیبیاں سوار ہو گئیں؟ کہا، ہاں آقا۔ پانی کی مشکیں ناقوں پر رکھ دی گئیں؟۔ کہا، ہاں آقا، عباس! شہزادی زینب جنت البقیع ہو کر آگئیں؟۔ کہا، ہاں آقا۔ عباس، قافلہ چلا۔ عباس ساتھ۔ آواز دی اور عباس قریب آ گئے، سر کو جھکا دیا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ اب یہ نام لینے کی گنجائش نہیں رہی، بس اتنا کہہ کر بیٹھ گئے۔ عباس! میری کمر لٹ گئی۔ دو جملے اور سن لیجیے۔

جب حسین اتنا پکارتے تھے تو سکتے بھی پکارتی تھیں، چچا عباس!۔ علی اکبر پکارتے تھے چچا عباس!۔ زینب پکارتی تھیں، عباس!۔ ام کلثوم پکارتی تھیں، عباس!۔ پورا گھر پکارتا تھا۔ عباس۔ عباس۔ عباس!۔ عباس!۔

یہی وجہ ہے کہ جب عمر سعد نے شمر کو بلا کر پوچھا کہ جب تو حسین کو ذبح کر رہا تھا تو حسین کیا کہہ رہے تھے؟ اُس نے کہا: پہلے تو اللہ کی بارگاہ میں دعا کی: رِضًا بِقَضَائِهِ وَتَسْلِيمًا لِّمُرِّہٖ اور اس کے بعد تین بار آواز دی

عباس۔ عباس۔ عباس!۔ عباس!



مجلسِ نہم

- ۱۔ حکومتِ پاکستان سے شیعہ دینیات کا مطالبہ۔
- ۲۔ کتبِ اربعہ اور تعدادِ احادیث۔
- ۳۔ فقہِ جعفری کے بغیر کسی فرقے کی فقہ کو نہیں سمجھا جاسکتا۔
- ۴۔ مسائلِ حج مسلمانوں نے شیعوں سے سیکھے ہیں۔
- ۵۔ معصوم اور مجتہد میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔
- ۶۔ "صحیفہ کاملہ" علم ہے۔
- ۷۔ علم کو عالم سے لیجیے، غیرِ عالم سے علم لینا ظلم ہے۔
- ۸۔ حسین ابنِ علی کا علم قرآن۔
- ۹۔ امام حسین علیہ السلام کی آخری رخصت۔

عشرہ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء نشر پارک
۹ محرم ۱۸ مارچ

مجلسِ نہم

"علمِ معصوم" کے عنوان سے یہ نویں تقریر آپ سماعت فرما رہے ہیں مجلسِ مذہبی ہیں یہ کوئی سیاسی اجلاس نہیں ہے کہ اس کو درہم و برہم کیا جائے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے، فائدہ تو وہاں پہنچتا ہے جہاں درہم و برہم کیا اور مجمع ہٹ گیا، یہاں درہم و برہم کرنے کا نتیجہ اٹا ہو گا۔ آج ہو یا کل حکومت ہمیشہ اس بات کا خیال رکھے کہ یہ غریب اقلیت ممکن ہے نگاہوں میں کم نظر آتی ہو لیکن لاوارث نہیں ہے، اس کا کوئی وارث ہے۔ میرا اشارہ کسی کُرسی اقتدار کی طرف نہیں ہے۔ جب میں یہ کہتا ہوں کہ وارث ہے تو اس سے مراد زمانے کے امام ہیں۔

۱۳۸۳ھ میں آج سے ساٹھ برس پہلے میں نے اسی نشریہ پر "مسئلہ دینیات" پر ویش تقریریں کی تھیں اور تو محرم کی تقریر فیصلہ کن کی تھی۔ اس کے بعد میرا نقطہ نظر بالکل واضح ہے، اور اس میں ذرہ برابر بھی امکان صلح کا نہیں ہے، میں وہی چاہتا ہوں جو علماء چاہتے ہیں۔ میں نے سکوتِ اس لیے اختیار کیا کہ مسلسل کام ہو رہا ہے اور اچھا کام ہو رہا ہے مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ ساٹھ برس کے بعد اس موقف کو پھر دہرانے پر تو اب بھی وقت ہے اس نظر انداز کی جانے والی اقلیت کو حکومت سمجھے اور اس اقلیت کے مطالبات کو حکومت ماننے۔ کم از کم کیے ہوئے وعدوں پر حکومت نظر ثانی کرے، اور یہ طے کیا جائے کہ ہمارا بھی کچھ حق ہے۔ میں نے

اپنے موقف کو اس لیے واضح کر دیا۔

آج سے ساٹ برس پہلے میں نے دینیات کا مطالبہ کیا تھا وہ مطالبہ آج بھی باقی ہے، اُس وقت بھی کہا تھا، پھر کہہ رہا ہوں کہ شیعہ دینیات کا مطالبہ ہے، کُرسی کا مطالبہ نہیں ہے، اقتدار کا مطالبہ نہیں ہے۔ دین و دیانت کے اصول پر حقوق کا مطالبہ ہے۔ اگر حکومت اسی طرح ہمارے دینی مطالبات کو نظر انداز کرتی رہی تو اُس کی عدل و داد پر حرف آئے گا۔ آخر میں کہنا چاہوں گا کہ صبر کی ایک حد ہوتی ہے اور کسی منزل پر صبر کی حدیں متزلزل ہو گئیں تو میں قوم کو قربانی پر نہیں چڑھاؤں گا، پہلے میں اپنی قربانی دوں گا۔ یہ خیال رہے کہ یہ سیاسی تقریر نہیں ہے۔

یہ سیاسی گفتگو نہیں ہے جہاں بات بات پر خون کی بوتلیں ٹپکاتی جاتیں، یہ حق ہے، یہ حق کی گفتگو ہے۔ ہم میں بیشی ہے، ہم میں عماری ہے، ہم میں بوزری ہے، ہم ذوالشہادتین ہیں، ہم شہیدِ ثالث ہیں، محمدؐ مکی ہیں، ہم محمدؐ تقیؑ قزوینی ہیں، ہم قاضی نور اللہ شوستری ہیں۔ ہم نے اپنے موقف کو واضح کر دیا۔

۱۳۸۳ ہجری سے میرا مطالبہ ہے۔ ساٹ برس گزر گئے، میرے پاس اُن تقریروں کے ٹیپ موجود ہیں کہ میں نے دینیات کو کیوں ضروری جانا۔ اُس وقت کی ایک تقریر کا خلاصہ کاش مجھے پوری طرح سے یاد آجائے۔ میں نے بتلانے کی کوشش کی تھی کہ ہمارے پاس چار کتابیں۔ (۱) کافی

(۲) "مَنْ لَا يَحْضُرُ الْفَقِيهَ" (۳) "تَهْذِيبُ" (۴) استبصار

اصول کافی میں سولہ ہزار ایک سو ننانوے (۱۶۱۹۹) حدیثیں

ہیں۔ "مَنْ لَا يَحْضُرُ الْفَقِيهَ" میں ہمارے پاس نو ہزار چالیس (۹۰۴۴) احادیث

ہیں۔ "تہذیب" میں ہمارے پاس تیرہ ہزار نو سو پچاس (۱۳,۹۵۰) احادیث ہیں۔ "استبصار" میں ہمارے پاس ساٹھ ہزار پانچ سو گیارہ (۲۰,۵۱۱) احادیث ہیں۔ امیر المومنینؑ سے لیکر حضرت امام حسن عسکریؑ تک ہمارے پاس چھ سو ست (۶۰۶) کتابیں لکھی گئی ہیں اور ہر حدیث کو شروع کیا اور ہر کتاب میں لکھا ہے کہ ہم سے ہمارے پدِ گرامی نے، اُن سے اُن کے پدِ گرامی نے، اور اُن سے جناب رسالتؐ نے فرمایا ہے۔ کم از کم ایک مجموعہ کو تو دنیا پڑھے، ہماری کتابوں کو تو پڑھیں، یہ احادیث ختمی مرتبت سے آرہی ہیں اور ائمہ معصومینؑ نے اُس کو نقل کیا ہے، یہ علم معصوم کے ساتھ ہیں جس میں شک کی اور ریب کی گنجائش نہیں، اتنا ضخیم سرمایہ، اتنا کثیر سرمایہ آپ کے پاس ہے؟ اور جامعہ ازہر کے شیخ شلتوت نے فتویٰ دیا ہے کہ اسلامی فقہ سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک کہ شیعہ فقہ کی کتابیں نہ پڑھی جائیں۔" جج کے لیے تمام مسلمان گئے تھے بعض احکام جج پر اگر گفتگو ہو جائے تو پتہ چلے کہ کہاں سے لیے گئے ہیں یہ احکام جج یعنی مجھے صحاح ستہ میں کوئی دکھا دے احکام جج؟ تفصیل سے احکام جج کوئی ہم کو بخاری میں بتلائے، مسلم میں دکھائے، ترمذی میں دکھائے، "مسند احمد بن حنبل" میں دکھائے۔ فقہاء نے یہ احکام کہاں سے لیے ہیں؟ جب حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام محمد باقر علیہما السلام فرما چکے تو دوسروں نے اُن سے سیکھے ہیں۔ احکام جج کو سمجھنے کے لیے ہماری فقہ کی ضرورت ہوگی۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ فقط اس خوف کی وجہ سے کہ کہیں یہ مطابقت منظور نہ ہو جائیں اسلامیات کو ہم پر مستط کیا گیا، یہ متعل گفتگو رہے گی کہ اسلامیات میں کیا ہے۔ میں مارٹن روڈ کے امام بارے میں اس موضوع پر تقاریر کر چکا ہوں میں نے وہاں کہا تھا کہ اسلامیات کی جتنی کتابیں

PRESCRIBE کی گئی ہیں اُن میں سب کچھ ہے مگر اسلامیا نہیں،

اسلامیات کی کتابوں کو تو شروع ہونا چاہیے تحفظِ ذات سے،

اور تحفظِ ذات ہے تقویٰ ذَلِکَ الْکِتَابُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی
لِّلْمُتَّقِیْنَ یہاں سے شروع کیجیے اسلامیات کو۔ اور یہی تاریخِ اسلام کی
گفتگو تو وہ کتابیں PRESCRIBE کی گئی ہیں جو نہ بازار میں ہیں، اور نہ
کتب خانوں میں۔ بچے پریشان، طلباء حیران ہیں، صرف شیعہ بچے نہیں جو بھی
تاریخِ اسلام لے، وہ کتابیں ملتی نہیں ہیں، اور پڑھانے والے تاریخِ اسلام کے
جتنے نزدیک ہیں اُن کا تذکرہ ہی نامناسب ہے۔ اسلام کی تاریخ دریاے ذخار
ہے، آخر کس چیز کی تاریخ ہے۔ ساسانیوں کی تاریخ، سامانیوں کی تاریخ، ترکوں
تاتاروں کی، آلِ عثمان کی، آلِ سلجوق کی، مغلیہ تاجداروں کی، بنی امیہ کی، بنی عباس
کی، آخر کس کی تاریخ ہے۔ اگر تاریخ ان کی ہے تو لکھو مسلمانوں کی تاریخ۔ اسلام
اور ہے مسلمان اور ہے۔ آپ مسلمان کی تاریخ کو اسلام کی تاریخ کیسے کہہ رہے ہیں
اگر آج تک بھی یہی دھوکا ہے، اگر مسلمان ہی اسلام ہے تو نبی زادی کی قبر پر اور
پیغمبر کی قبر پر جانا بدعت ہے۔ اگر آج تک یہی دھوکا ہے کہ مسلمان اسلام ہے
مسلمان نبی نہیں ہے، مسلمان معصوم نہیں ہے، اس میں بھی ہوا دھوس ہے
اُس میں بھی خواہشاتِ نفسانی ہیں ورنہ یہ عدالتیں، یہ جیل نہیں ہوتے۔ آپ
مسلمانوں کی زندگی، مسلمان بادشاہوں کی تاریخ کو الگ کیجیے۔ اسلام کی تاریخ
تو مسائل کی تاریخ ہوگی۔ یہ مسائل کی تاریخ ہوگی کہ نماز میں پہلے کیا واجب ہوا۔
پہلے کیسے کھڑے ہوئے، پھر کس نے کھڑے ہونے کی ترتیب بدل دی، اس کے بعد
کہاں بحث شروع ہوئی بِسْمِ اللہ پر کہ پکار کر پڑھی جائے کہ نہیں دعا قنوت
کو کہاں چھوڑا گیا۔ جب یہ تاریخ لکھی جائے تو ایک ایک مسئلے کی تاریخ ہوگی

اسلام کی تاریخ DEVELOPMENT ہے کہ اجتہاد نے کیا کیا۔ اجتہاد کو تو آپ سمجھتے ہیں، اجتہاد، عصمت سے ہٹا ہوا لفظ ہے، اجتہاد میں امکانِ خطا ہے، اس لیے کہ مجتہد خطا کر سکتا ہے۔ اور جب ہم فکر کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ صدرِ اول میں بھی یہی ہوا، لڑائیاں ہوئیں، مسلمانوں کا لہو بہا۔ اور جب پوچھا گیا کہ یہ کیوں ہوا؟ تو جواب ملا، مجتہد نے تاویل کی خطا کی، مجتہد میں امکانِ خطا ہے، تاریخِ اجتہاد جب آگے بڑھتی چلی جاتی ہے تو اُس وقت اندازہ ہوتا ہے کہ کہاں خطا ہوئی، اُس کو کہاں سدھارا گیا، اُس کو کہاں سنبھالا گیا، کس کی کیا رائے تھی، حضرت عبداللہ ابنِ زبیر کا فرمان کیا ہے، حضرت عبداللہ ابنِ عمر کیا کہتے تھے، سعید ابنِ مسیب کا کیا فتویٰ ہے، ابو سعید خدری نے کس حدیث کو نقل کیا تھا، بخاری نے اُس کو کیسے نقل کیا، امام ظفر نے اُس کو بعد میں کیسے نقل کیا، پھر طبقاتِ خلفاء کیسے گئے، طبقاتِ شافعی کیسے گئے، طبقاتِ حنبلی کیسے گئے، یہ ہے تاریخِ اسلام — !

عزیزانِ گرامی! میں تشنہ رہ جاؤں گا اگر ایک جملے کا اور اضافہ نہ ہو، کہ یہ تاریخِ اسلام ایک ہی طبقات پر آپ محدود کر دیں گے تو یہ تاریخِ حد درجہ ناقص ہوگی۔ اگرچہ مسائل کی تاریخ سہی، اگرچہ فقہی تاریخ سہی، اگرچہ اجتہاد کی تاریخ سہی، لیکن حد درجہ ناقص ہوگی۔ اس لیے کہ آپ کو یہ بتانا پڑے گا تاریخِ اسلام کے ایک حصے میں کہ ایک ایسا بھی طبقہ ہے جو اپنے اُمت کو مجتہد نہیں معصوم سمجھتا ہے۔ اُمت کا سلسلہ قبیلوں سے نہیں ہے، کوئی امام بنی اسد سے نہیں ہے، کوئی بنی ہوزن سے نہیں ہے، کوئی بنی تمیم سے نہیں ہے، کوئی بنی کاعبہ سے نہیں ہے، کوئی اسپین کا نہیں ہے۔ یہ سلسلہ ایک ہی گھرانے کا ہے۔ باپ، دادا، پردادا محمدؐ عربی۔ اعتراض کر کے جو بھی اعتراض ہو لکھیے، مگر یہ لکھ دیجیے کہ یہ طبقہ اپنے

اُن کو مجتہد نہیں معصوم سمجھتا ہے۔ اور اگر مجتہد اور معصوم میں فرق سمجھ میں نہ آئے تو مولانا روم سے مدد لیجیے۔ مولانا روم نے دفترِ اول میں کہا کہ: جب عسلی نے پہلوان کو پچھاڑ دیا اور آئیے اُسے قتل نہیں کیا تو پہلوان نے کہا کہ: آپ قتل کیوں نہیں کرتے؟ عسلی نے کہا: میں مرضی رت پر چل رہا ہوں، اس موقع پر مولانا روم نے ایک شعر کہا:

زاجتہاد و از تحددی رستہ ام

آستیں بردامن حق بستہ ام

"میں مجتہد نہیں ہوں میں چوراہے پر کھڑے ہو کے سوچتا ہوں ہوں
آستیں کو میں نے دامنِ حق سے باندھ رکھا ہے۔"

مولانا روم کے عقائد تو سب پر واضح ہیں، کم از کم یہ شعر *Quote*

کر دیجیے۔ یہ بتلا دیجیے کہ ایک طبقہ عسلی علیہ السلام کو معصوم سمجھتا ہے، اُن سے احادیث کو لیتا ہے، اُن کے احادیث کی سند یہ ہے، اُن کے مجتہد یوں آئے، مسئلوں آگے بڑھا، جو عسلی نے کہا، وہی حسن نے کہا، جو حسن نے کہا وہی حسین نے۔ مسئلہ کی سیر میں اگر اُس دن بھی بسم اللہ پکار کر کہا تھا تو آج تک اُسی طرح ہے، اگر اُس دن دوسری رکعت میں فتوت پڑھتے تھے تو آج اُسی طرح ہے، اگر اُس دن تشہد میں درود بھیجتے تھے تو وہ آج بھی ہے۔ اس مسئلہ میں متقل مزاجی اختیار کی۔ اب وہ اجتہاد کی شان ہے کہ نہیں، یہ اور بات ہے۔ لیکن تاریخ اسلام میں ایک حصہ قائم کر کے کم از کم بتلا تو دیجیے کہ یہ تاریخ اسلام کا ایک رُخ ہے جہاں عصمت کا تصور پیش کیا گیا۔ علم معصوم کو پیش کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ یہ معصوم نے کہا ہے، اور کیسے کہا ہے، وہ اسی طرح کہ جیسے قرآن میں محکم ہے اور منشا بہ ہے۔ اسی طرح ہمارے کلام میں محکم ہے

متشابه ہے، اور اگر آج سمجھ میں نہیں آیا تو پانچ سو برس کے بعد سمجھ میں آئے گا کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔ دنیا کی ترقیاں، تعلیم کی زیادتی اور آپ کا بے پناہ شوق اور مسلمانوں کا خلوص دینیات کے ساتھ۔ اب مسلمانوں کو اس منزل تک پہنچا چکا کہ آہستہ آہستہ اُمتِ اہل بیتؑ سمجھ میں آ رہے ہیں۔ اب علیؑ سمجھ میں آ رہے ہیں اب حُسنِ سمجھ میں آ رہے ہیں، اب سید سجادؑ سمجھ میں آ رہے ہیں، اور اس سمجھانے میں ڈاکٹر اقبالؒ نے اپنا حق ادا کر دیا، اب کوئی سمجھے یا نہ سمجھے اور جو چاہے ڈاکٹر اقبالؒ کو دنیا کہہ دے۔ اقبالؒ نے بتایا کہ اہل بیتؑ کا مقام و رتبہ کیا ہے۔ حضرت فاطمہؑ زہراؑ کا رتبہ کیا ہے، کسی بی بی کا ذکر نہیں کیا لیکن اقبالؒ نے حضرت فاطمہؑ زہراؑ کا ذکر کیا ہے، کسی اور کا ذکر نہیں کیا مگر علیؑ کا ذکر کیا ہے۔ شہیدوں میں کسی اور کا ذکر نہیں کیا مگر حسینؑ کا ذکر کیا۔ آپ کے شاعرِ مشرق اور حکیمِ ملت نے یہ حق ادا کیا۔ اس لیے تاریخِ اسلام کے حقے کو شاعرِ مشرق کے بہت سے کلام سے مزین ہونا چاہیے۔ اس کو نہ بھولیے اور اگر یہ کام نہیں ہو سکتا تو پھر ایک ایسی تاریخ لکھنے کی ضرورت پڑے گی کہ جہاں اب تحقیق کے ساتھ اُن حقائق کو پیش کیا جائے، جہاں ذاتی دشمنیوں کی وجہ سے مسائل فقہی بگڑ گئے، — !

عزیزانِ گرامی! میں آج جس امر کی وضاحت چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ فقہِ شیعہ اور علمِ معصومِ ملتِ مسلمہ کے لیے آج اتنا ہی ضروری ہے جتنا بعدِ رسولؐ ضروری تھا، اُس وقت تو کہتے تھے "اَقْضَاكُمْ عَلٰی" تم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا علیؑ ہے۔ اس وقت تو دنیا کہتی تھی: اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلَيٌّْ بِأَبْهَا۔ یہ رسولؐ کی زندگی تھی، رسولؐ کی زندگی کے بعد دنیا نے بڑی فراخ دلی سے کہا کہ: "خدا اُس محفل میں نہ رکھے

جس میں ابوالحسن نہ ہوں، ہم مرجاتے اگر علیؑ نہ ہوتے، کم از کم اسی وسعتِ قلبی کا ثبوت دیا جائے، ضرورت ہے کہ تاریخِ اسلام کو اسی انداز میں ترتیب دیا جائے اور اُس میں پورے مکتبِ فقہی کو پیش کیا جائے اور یہ بتلایا جائے کہ ہمارا CONTRIBUTION کیا ہے۔ آخر چھ سو سات (۶۰۷) کتابیں اور امام مالک سے پہلے کی کتاب ہے "صحیفہ کاملہ" صحیفہ سجادِیہ، آخر کوئی تو غور کرے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کی دعائیں کیا ہیں یس یہ نہیں کہ پروردگار روزی دیدے۔ یہ تو بخیل کی دعا ہے۔ وہاں دعا ہے مسئلہ ہے، تبلیغ ہے، صبر کی ہدایت ہے، بادشاہوں کو امر بالمعروف اور نہی عَنِ الْمُنْكَر کی طرف لانا ہے، تاریخ ہے، واقعات ہیں۔ ایک دعا ہے اور مسائل کے دفتر کے دفتر ہیں۔

آپ نے کبھی غور کیا ہے، سلیم بن قیس کی کتاب پہلی کتاب ہے، جس کتاب کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہا کہ یہ کتاب یوں کے لیے ابجد ہے کبھی آپ نے ان کتابوں پر غور کیا جو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں لکھی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ سید الساجدین ع کی ایک اور کتاب ہے "کتاب الحقوق" کبھی آپ نے اس کتاب پر غور کیا، جمع کیجیے ان کتابوں کو، آپ کی نظریں وہ کتابیں ناپسندیدہ سہی مگر دنیا کے سامنے اُسے لے تو آئیے شاید یہ متشابہ کبھی محکم ہو جائے۔

یہ علم معصوم ہے، علم کو عالم سے لیجیے غیر عالم سے نہ لیجیے:

"بَلْ هُوَ آيَةٌ بَيِّنَةٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمُ

"بلکہ وہ آیتیں واضح ہیں ان کے سینوں میں جو صاحبانِ علم ہیں

وَمَا يَجْعَلُهَا إِلَيْنَا إِلَّا أَنْظِلْمُونَهُ (سورۃ عنکبوت آیت ۹۷)

” ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر ظالم “

کسی پر تیرہ چیلانا ہی ظلم نہیں ہے، کسی کو تلوار سے مارنا ہی ظلم نہیں ہے، کسی کے علم سے انکار کرنا بھی ظلم ہے، کسی کے علم سے فائدہ نہ اٹھانا بھی ظلم ہے، اس لیے کہ قوم کی ترقی رک جاتی ہے۔ اس مسئلہ پر یہ بات پیش نظر رہے کہ ہمارا CONTRIBUTION عالم اسلام میں کچھ کم نہیں ہے۔ یہ CONTRIBUTION اس لیے نہیں ہے کہ مصر میں فاطمیئین مصر کی حکومت تھی۔ یہ CONTRIBUTION اس لیے نہیں ہے کہ ایران میں صفویوں کی حکومت تھی، یہ CONTRIBUTION اس لیے نہیں ہے کہ اس وقت ایران میں ہماری آبادی زیادہ ہے۔ نہیں — یہ CONTRIBUTION اُس وقت کا ہے جب ہاتھ قلم ہو رہے تھے اور کتابیں لکھی جا رہی تھیں، پاؤں کاٹے جا رہے تھے اور زیارت ہو رہی تھی۔ !

آپ نے معصوم کی اور مجتہد کی منزلوں کو دیکھا، بڑا فرق ہے۔ عجیب بات ہے کہ دنیا معصوم کے مقابل کوئی اصطلاح آج تک لانا نہ سکی اور اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ معصومین کے مقابل میں صوفیائے کرام، عظیم ترین مُرشد جو ”وحدت الوجود“ کے قائل تھے ان کو معصوم کے مقابل لاکر کھڑا کر دیا گیا، لیکن معصوم کی منزل اور تھی، وہ علم کی منزل ہے۔ اب فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ تاریخ بتلاتی ہے، فلسفہ بتلاتا ہے کہ اگر تم آغاز میں نہیں تھے تو انجام کو دیکھ کر انجام کے ذریعے فرق پہچانو، تو آج ہم معصوم کی قبر کی زیارت کے جملے یہ ادا کرتے ہیں جو غیر معصوم کے لیے نہیں ہیں :

أَشْهَدُ أَنَّكَ كُنْتَ نُورًا فِي الْأَصْلَابِ اشْأَخَةِ وَ
الْأَرْحَامِ الْمُطَهَّرَةِ لَمْ تُنَجِّسْكَ الْجَاهِلِيَّةُ بِأَنْجَاسِهَا

وَلَمْ تُلْبِسْكَ مِنْ مَّذْلِهَاتٍ ثِيَابَهَا - (زیارت مبسوط)
 یہ معصوم کے لیے کہہ سکتے ہیں کہ: تم پاک صلبوں میں اور پاک رحموں
 میں نور تھے۔۔۔۔۔“

عزیزانِ گرامی! میں شرمندہ ہوں آپ دھوپ میں کھڑے ہیں
 آج نویں محرم ہے اور آپ کا یہ انہماک، یہ آپ ہی کا حق ہے، —
 آپ نے غور کیا — زیارت کے یہ الفاظ معصوم کے لیے ہیں اور
 اگر فرق دیکھنا ہے تو آؤ چلو کر بلا چلو — آج نویں محرم کو کر بلا میں
 لاکھوں کا مجمع ہے۔ دور دور سے آوازیں آرہی ہیں السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ابْنَ
 رَسُولِ اللَّهِ۔ بہت فرق ہے معصوم میں اور مجتہد میں۔ یا ابنِ رسولِ اللہ
 کس مجتہد کے لیے کہوں، کس ائمہ فقہ کو کہوں یا ابنِ رسولِ اللہ۔ وہ کون سا
 امامِ حدیث ہے جس کو یا ابنِ رسولِ اللہ کہوں، کوئی نیشاپور سے آیا ہے،
 کوئی بخارا سے آیا ہے، اب میں یا ابنِ رسولِ اللہ کس کو کہوں، — !؟
 معصوم مقامِ عصمت پر ہے، اُس کا علم معصوم ہے، اُس کے
 علم کی نشانیاں ہمارے پاس موجود ہیں، ممکن ہے کہ روایتیں سمجھ میں نہ آئیں،
 متشابہ ہیں، ممکن ہے بعض راویوں نے سننے میں غلطی کی ہو بعد میں محکم ہو جائیں
 عالمِ اسلام کو اگر رجال سمجھنا ہو، اگر تفسیر سمجھنا ہو، اگر فقہ کے مسائل کو سمجھنا ہو تو
 جب تک وہ شیعہ فقہ کی طرف رجوع نہ کرے، اُن کو اپنے رجال سمجھ میں نہیں
 آئیں گے۔ یہ بہت بڑی تاریخ ہے۔ میں کم وقت میں کیسے سمجھاؤں ۲۶۷ھ
 تک سمدانوں کے سمجھ میں علمِ رجال نہیں آیا، رجال کے معنی احادیث کے راوی۔
 سمجھ میں نہیں آیا مگر جب ائمہ کا زمانہ ختم ہو گیا اور جب پہلی کوشش ۳۰۵ھ
 میں وفات پانے والے ابو عبد اللہ صاحبِ مستدرک نے بتایا کہ اتنے

احادیث تھے، اتنے احادیث تھے کہ جن کو انھیں لوگوں نے کہا تھا کہ صحیح ہے راوی گر چھوڑ دیا مَن کُنْتُ مَوْلَاہ کو چھوڑ دیا۔ اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلِیْنِ کو چھوڑ دیا۔ حدیثِ تطہیر کو چھوڑ دیا۔ یہ مستدرک ہے، کسی اور کی کتاب نہیں ہے، کیوں اور کب؟ جب پلٹ کر ادھر دیکھا کہ عالم کا فرمان کیا ہے، پتہ چلا کہ راوی تو وہی ہیں۔

بہر حال عزیزانِ گرامی! اگر معصوم کی عظمت کو سمجھنا ہے اور اُس کے مقاماتِ عالیہ کو دیکھنا ہے تو کر بلا چلو، آؤ آج کر بلا چلو۔ آج تو محرم ہے آج چلو، تاسوعا — آج وہ تاریخ ہے — حسینؑ ہر طرف سے گھر گئے تھے۔

مولا! ایک ایک شہید نے آپ کو آواز دی، مولا یہ معصوم ہی کی ہمت ہے، یہ معصوم ہی کا حق ہے کہ ایک ایک شہید بکارے تو ہر شہید کی لاش پر جائے، اگر تفصیل پڑھوں تو معلوم ہو کہ کس شہید کی لاش اٹھا کر حسینؑ نے قرآن کی کونسی آیت پڑھی۔ یہ صرف امام ہے — علی اکبرؑ کی لاش اٹھائی تو یہ آیت پڑھی: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهٖمَ وَّ اٰلَ عِمرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ ۝ عباسؑ کی لاش پر پہنچے تو یہ آیت پڑھی:

"مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عٰہَدُوا اللّٰهَ عَلَیْہِ فَمِنْہُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہُ وَمِنْہُمْ مَّنْ یَنْتَظِرُ ۚ وَمَا بَدَّلُوْا بَدِیْلًا ۝ (سورہ احزاب آیت ۱۳)

علیؑ اُصغر کے گلے پر تیر لگا تو چھوٹی سی آیت پڑھی :-

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ آیت ۱۵۶)

(۱۴۳)

ذرا سی دیر میں حسین نے کتنی جلد جلد قربت حاصل کی، کتنے جلد جلد بہت سے کام کیے ہیں۔ حسین نے وقت کم تھا۔ قاسم کی لاش لائے عوں و محمد کے لاشے لائے، علی اکبر کو روئے، عباس کو روئے اور اکیلے ہو گئے حسین اکیلے ہو گئے، میرا امام اکیلا ہو گیا، ارے کاش تم ہوتے، حسین پکار رہے ہیں "هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا" مِنْبِتِ مُحَمَّدٍ پرفائز ہونے والا پکار رہا ہے، روح رسول پکار رہی ہے، کوئی ہے مدد کرنے والا۔

فُرات نے آواز دی — مولا! سب کو غرق کر دوں —
 کہا نہیں — زعفر جٹ نے کہا: مولا! میں مدد کروں؟ فرمایا نہیں۔
 — ملائکہ نے کہا فرزند رسول! ہم مدد کریں، فرمایا نہیں۔ آفتاب کی تمازت میں کچھ کی محسوس ہوتی، کچھ جھلکاؤں میں ہو گئی، پلٹ کر دیکھا جبریل امین پروں کو پھیلاتے ہوئے سر پر سایہ کیے ہوئے تھے، حسین نے پوچھا جبریل! یہ کیا؟ کہا بچپن میں جھولا جھلایا ہے، بچپن میں خدمت کی ہے، — تھوڑا سایہ کر دوں — فرمایا، ہٹ جاؤ، آج حسین کا امتحان ہے۔ حسین امتحان دے رہا ہے — حسین نے پھر آواز دی "اِنَّا مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا" "ہے کوئی مدد کرنے والا جو ہماری مدد کرے" ایک باز ہیچے سے ایک بی بی کی آواز آئی — میرے لال! — میں مدد کروں؟ (میں نے مجلس ختم نہیں کی) — (ابھی میں نے مجلس ختم نہیں کی۔) (علامہ ایک وقفے کیلئے خاموش ہو گئے) اس وقت قیامت خیز گریہ ہو رہا ہے۔ زہرا نے آواز دی میرے لال! میں مدد کروں؟ کہا نہیں اماں آج امتحان کا دن ہے۔ اور حسین خیمے میں آئے۔ زینب کو رخصت کیا۔ خیمے سے باہر ہو گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ سکینہ گھوڑے کے قدموں کی پٹا لگائیں۔ آواز دی۔ بابا نہ جاؤ بابا نہ جاؤ۔



مجلس عاشورا

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ . (سورہ بقرہ آیت ۱۵۶)

"علم معصوم" میں یہ گزر چکا ہے کہ حسین کا کوئی رونے والا محروم نہیں رہے گا۔ علم معصوم میں یہ گزر چکا ہے کہ حسین کا کوئی ماتم دار حیران نہ رہے گا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ "یہاں بھی اللہ نے چاہا تو اچھی ہی گزرے گی، تھوڑی سی حیرانی ہے، پریشانی ہے، کبھی وقت ملے، گھبراؤ تو نبی کو پکارو، شہزادی کو پکارو، زہرا کو پکارو۔!!"

شہزادی — !

"اب مدد کا وقت ہے" پکارو کبھی محروم نہیں رہو گے۔ وہ ایک ہی بچا جانے والی، اب یہاں بچا لے جاتے یا محشر میں بچا لے جاتے۔

ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو وقفِ غم کریں۔

اگر ہم پر کوئی مصیبت آئے تو وہ معصومین کا کام ہے، ینظوم امام کا کام وہ آپ کو بچا لے جائیں گے۔ بحمد اللہ آپ جمع ہو گئے۔

رات بھر آپ جاگتے رہے، ایک امام باڑے سے دوسرے امام باڑے تک برابر ماتم کرتے ہوئے آپ جاتے رہے۔

آپ کے بچے آپ کے ساتھ رہے، آپ کے گھروالے آپ کے ساتھ رہے۔ آپ نے راستے کی تکلیفیں اٹھائیں، آپ کے لیے سواری کا انتظام

نہیں تھا۔ سب کا اجر ملے گا۔ یہ کوئی خواب و خیال کی باتیں نہیں ہیں، اگر خوابِ خیال کی باتیں ہوتیں تو نہ یہ مجلسیں ہوتیں اور نہ یہ مجمع ہوتا۔ نہ اتنے حضرات یہاں جمع ہوتے۔

یہ کوئی رسم نہیں ہے۔۔۔!!

ہم فرض ادا کر رہے ہیں۔۔۔!! ہم اپنا فریضہ ادا کر رہے ہیں۔۔۔ عزاء کے دن گزرے، محرم کی دسویں آگئی۔

کربلا میں محشر ہے، کربلا میں قیامت ہے، آج کربلا کی زمین پر تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے۔ ہر طرف سے آواز آرہی ہے:

فرزندِ رسولؐ۔۔۔۔۔!

فرزندِ رسولؐ۔۔۔۔۔!!

مولا۔۔۔ غلاموں کا سلام قبول ہو، دعا یہ کرو کہ زندگی میں ایسا دن آئے کہ عاشور کا یہ دن کربلا میں گزرے۔۔۔!

زندگی میں ایسا دن آئے کہ عاشور کے دن اپنی آنکھوں سے روئے کو دیکھو، اپنی آنکھوں سے فرتح کو دیکھو، ارے آج تک علی اکبر حسین کے پاس ہیں، وہیں فرتح میں قریب ہی ہے، ارے جا کر دیکھو بیٹا کس طرح سے باپ کے قریب ہے۔

شہدائے کربلا تم پر بھی ہمارا سلام ہو۔۔۔

اُمّ یسلیٰ کے لال! خدا حافظ۔۔۔ اُمّ البنین کے بیٹے۔۔۔! خدا حافظ۔۔۔ قاسم! اُمّ فروہ کی جان! خدا حافظ۔۔۔ زینب کے دونوں لال عؤن و محمد! خدا حافظ۔۔۔

سارے شہیدوں پر سلام کرتے ہوئے، سارے شہدوں پر سلام

کرتے ہوئے چلو، آقا کی خدمت میں چلو،
 آقا زخمی ہو چکے ہیں، سر سے پاؤں تک زخمی ہو چکے، میرا نام زخمی
 ہو چکا، ارے وہ حسین — بچپن میں اگر پاؤں دامن سے الجھ کے کبھی
 فرزندِ رسولؐ کو صدمہ ہوا اور مسجد میں اگر گر پڑے، نانا نے خطبے کو روک دیا
 منبر سے دوڑتے ہوتے گئے، بچے کو اٹھایا، پیشانی پر بوسہ دیا۔ بار بار
 پوچھتے تھے، حسین! چوٹ تو نہیں آئی۔

یا رسول اللہ — !!

دیکھیے کربلا میں وہ حسین بہت زخمی ہے، سینہ زخمی، گلہ زخمی، پیشانی
 زخمی، ہاتھ زخمی، ساعدِ زیبا زخمی، بازو زخمی، آواز دے رہے ہیں۔
 هَلْ مِنْ نَاصِرٍ يَنْصُرُنَا

کیا کوئی ہے ہماری مدد کرنے والا ؟

حسین پکار رہے ہیں۔ کوئی ہے۔ ہماری مدد کرنے والا۔
 کوئی تو ہوتا مدد کرنے والا۔

حسین کی یہ آواز قیامت تک ہے، آج اس مجلس میں بھی یہ آواز
 آرہی ہے۔ کوئی ہے میری مدد کرنے والا۔ ؟

فاطمہؑ کی جان — ہم کیا مدد کر سکیں گے مولا — میرا آقا
 زخمی ہو گیا۔ زینِ ذوالجناح پر جھومنے لگے، گھوڑے کی گردن میں باہیں
 ڈال کر کہہ رہے ہیں۔ اے ذوالجناح —! دیکھ میرا علی اکبر کہاں
 سو رہا ہے، ذوالجناح! میرا لال کہاں سو رہا ہے۔

آہستہ آہستہ چل ذوالجناح — جگہ ہم پسند کریں گے۔

اور ایک مرتبہ فوجوں کی سیاہی میں، شام کے بادلوں میں زہرا کا چاند چھپ گیا۔

(۱۴۷)

در زینبہ جہاں ہے بلند مقام ہے، وہاں سے زینب بھائی کو دیکھ رہی تھیں
 بھائی نظر نہیں آیا — بھائی نظر نہیں آیا —
 اور ایک مرتبہ دوڑ کر خیمے میں گئیں اور کہا، عابد بیمار، میرے بچوں سے ہشیار
 اب میرا بھائی نظر نہیں آتا، میرا بھائی نظر نہیں آ رہا ہے۔
 ”اللہ آپ سب کو اجر دے۔“

اللہ اب کوئی نہیں ہے حین اکیلے ہیں، حبیب نہیں، زہیر نہیں،
 مسلم نہیں، علی اکبر نہیں — عباس نہیں — اب تو اکیلی زینب ہیں
 شہزادی کیا کرے — زینب — بی بی کیا کرے — وہ راستہ جو
 حسین نے گھوڑے پر طے کیا تھا، زینب نے پیادہ پا اُس راستے پر چلنا
 شروع کیا — زینب کا رخ مقتل کی طرف ہے۔
 بہن بھائی کو دیکھنے جا رہی ہے — (قیامت کا گریہ ہے کئی منٹ کی
 خاموشی ہے۔ علامہ رشید ترائی خود بھی گریہ کر رہے ہیں، محج الثاجار ہے)
 (لوگ ابھی تک سر و سینہ پیٹ رہے ہیں)
 (علامہ رشید ترائی بھی گریہ کر رہے ہیں، کان پڑی آواز نہیں سنائی
 دے رہی ہے)

وہ راستہ جو حسین نے ذوالجناح پر طے کیا تھا، اسد اللہ کی بیٹی
 پیادہ پا چلی، — !
 مقتل کے قریب آئیں —
 پکار کر کہا — راستہ دو — راستہ دو — فاطمہ کی بیٹی
 آئی ہے — راستہ دو محمدؐ کی نواسی آئی ہے۔
 میرا بھائی کس طرف ہے — کہاں ہے میرا بھائی۔

دور سے آواز آئی —————

ادھر آؤ ————— ادھر آؤ ————— زینب ادھر آؤ۔ بھائی نے بہن کو بلایا۔ ————— (بس ہو گئی مجلس)

مجھے یقین ہو گیا ————— زہرا بی بی آگئیں ————— شہزادی کی سواری آگئی۔
”مقتلِ زینبہ“ سے پڑھ رہا ہوں

یہ آخری جملے ہیں ————— سُن لیجیے !

بھائی نے آواز دی، زینب ادھر آؤ ————— زینب ادھر آؤ۔
اب جو دور سے دیکھا ————— زمین پر بھائی کا لاشہ پڑا ہے —————
پکار کر کہا

اَ اَنْتَ اَخِي ————— ”کیا تو میرا بھائی ہے؟“

آواز آئی، ماں ————— زینب! ذرا نزدیک آؤ ————— ایسے موقع پر
عشقی کی بیٹی آگے بڑھی، دونوں زانوؤں کو زمین پر رکھ دیا، دونوں ہاتھ بھائی
کی لاش کے نیچے رکھ کر ————— لاشے کو ہاتھوں پر بلند کیا —————
مدینے کا رخ کیا

زیرِ آسمان لاشے کو بلند کر کے کہا ————— پروردگار! اپنے نبی کی طرف سے
اور نبی کی بیٹی فاطمہ کی طرف سے اس قربانی کو قبول فرما۔
اور ایک مرتبہ نانا کو سلام کیا۔

اَسْلَامٌ عَلَیْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ

یہ آپ کا نواسہ حسین ہے ————— پھر آواز دی، اماں! یہ تمہارا
بیٹا حسین ہے۔



مجلس شام غریباں

عنوان :

”کُر“

ریڈیو پاکستان
کراچی

۱۰ محرم الحرام ۱۳۹۰ھ / ۶۱۹۴۰

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

”کَوْثَرُ“

شامِ غنیاں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۚ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۚ

کلامِ مجید کا یہ ایک سو آٹھواں سورہ ہے، سورہ کثر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس کی تین آیتیں ہیں۔ اس سورے میں کل دس لفظ ہیں اس میں بیالیس حروف ہیں، مگر قیامت تک کے لیے معجزہ ہے۔ عطا ئے الہی کا ذکر ہے کہ: ”ہم نے تجھ کو کثر عطا کیا ہے“ دینے والے کی شان دیکھیے رَبُّ الْعَالَمِينَ ہے۔ کون و مکان کا خالق ہے، اُس کی عطا غیر محدود ہے غیر مجذوذ ہے، غیر محظور ہے۔ اُس نے کثر عطا کیا ہے۔ ہم نے تجھ کو کثر عطا کیا ہے۔ اِنَّا اَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ۔۔۔ اور دوسری آیت ”اپنے رب کی بندگی کر، اور قربانی دے۔“ تیسری آیت: ”تیرے دشمن کا نشان بھی نہیں رہے گا“ تیرا دشمن ابتر ہے، تیرا دشمن دُمریہ ہے تیرے دشمن کے لیے کوئی عقب نہیں ہے، اُس کی نسل نہیں ہے، نہ نسلِ نسبی نہ نسلِ فکری ہے۔

اس سورے پر غور کرتے ہوئے بڑے مختصر سے وقت میں عطا ئے رب پر غور کیجیے آپ کو پتہ چلے گا کہ قرآن مجید میں سورہ ہود کی آیت میں ارشاد ہوا:

”وَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا ففِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا
مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ
عَطَاءً غَيْرٍ مَجْذُوذٍ ه (سورہ ہود آیت ۱۸)

”اور وہ لوگ جو نیک (بدبخت) ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں
رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں، مگر جو کچھ ترے
رب کو منظور ہو، یہ عطا ہے جو قطع ہونے والی نہیں، عطاء
غیر مجذوذ، یہ وہ عطا ہے جو کبھی قطع نہیں ہوگی۔

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوا:

”مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا
مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ
يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَذْذُورًا ه وَمَنْ أَرَادَ
الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ه كَلَّا
ثُمَّ هُوَ لَآءٍ وَهُوَ لَآءٍ مِنْ عَطَا رَبِّكَ وَمَا
كَانَ عَطَا رَبِّكَ مَحْظُورًا ه (سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۱ تا ۳۸)

”جو دنیا کو طلب کرتا ہے (یعنی عجلت سے ملنے والے نفع کو طلب کرتا
ہے تو ہم جو چاہتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں جلد اسی دنیا میں دیتے
ہیں مگر پھر ہم اُس کا مقام جہنم قرار دیتے ہیں جس میں وہ رسوا
اور راندہ درگاہ ہو کر داخل ہوگا۔ اور اگر کوئی آخرت کو مانگے اور
اُس نے اُس کے لئے ایسی کوشش کی جیسی کہ کوشش سعی کرنے کا
حق ہے لیکن وہ مومن بھی ہو تو اُن کی سعی مشکور ہے، شکر کے

قابل ہے^(۹) ہر ایک کے لئے خواہ یہ ہوں یا وہ (یعنی دنیا کے طلب گار ہوں یا آخرت کے) ہم (فرمایا) جو دنیا مانگتا ہے (ہم تیرے رب کی عطا سے اُس کی بھی مدد کرتے ہیں) (اور جو آخرت مانگتا ہے ہم اُس کی بھی مدد کرتے ہیں) تمہارے رب کی عطا کو گھیرا نہیں جاسکتا (وہ عطائے غیر محذوز ہے) (یعنی منقطع نہ ہو گی) عطاء محظور ہے (یعنی کسی پر بندش نہیں ہے) اور کائنات کا خلق کرنے والا سورہ طہ میں ارشاد فرماتا ہے :

” رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ”
(سورہ طہ آیت ۵)

” ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو حیات عطا کی ہے پھر ہدایت کی ہے “ اُس کا سب سے بڑا عطیہ حیات ہے ، پھر حیات کے مدارج ہیں کہ ہر منزل حیات پر تربیت کرے ، یہ بھی عطیہ ہے اور پھر طبقات کی تربیت کرے یہ بھی عطیہ ہے ۔ انسانیت کی منزل پر اگر موالیدِ ثلاثہ کے حدِ آخر پہنچ جائے جب انسان کو کھڑا کرے تو یہ بھی عطیہ ہے ۔ اُس کو عقل کی دولت سے سرفراز کرے اور عقل کی دولت عطا کرے اُسے تسلیم کی دولت یعنی اسلام عطا کرے اسلام لانے والے کو ایمان کی دولت عطا کرے ، اُسے مومن بنائے ، مومن کو عطیہ تقویٰ دیکر متقی بنائے اور تقویٰ رکھنے والے کو عطیہ ولایت سے سرفراز فرمائے ، اُسے ولی بنائے ، ولایت کا عطیہ عطا کرے ، نبوت کی منزل دے ، نبوت کی منزل پر رسالت کا عطیہ دیکر رسول بنائے اور جب رسولوں میں ممتاز کرے تو اولین و آخرین میں ایک کو چُن لے اور اپنے لیے پسند کرے اور اُس کو اپنے مقامِ محبت پر فائز کر کے خاتمہ تکوین بنائے ، اُس کو

مقصدِ لولاک بنائے، اُس کو حقیقت کُن فلکان بنا کر ———
 ”کوثر عطا کرے“ ——— !!

سارے علمائے اسلام اور مفسرین نے لکھا ہے کہ ”کوثر“
 خیرِ کثیر ہے۔ ”کوثر“ خیرِ دنیا بھی ہے اور خیرِ آخرت بھی ہے۔ ”کوثر“
 خیرِ ہی خیر ہے۔ ہم نے تجھ کو کوثر دیا، یعنی خیرِ کثیر دیا ہے۔ تیرے لیے
 خیرِ ہی خیر ہے۔ ہم نے تجھ کو کوثر دیا۔ اللہ اکبر۔ سلیمان سے گفتگو
 تھی، ارشاد فرمایا:

”هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ
 حِسَابٍ“ (سورہ ص آیت ۳۹)

(سلیمان)! ہم نے یہ (ملک) دیا ہے یہ ہماری عطا ہے۔ اپنے
 پاس رکھو یا (یہ سب کا سب) تقسیم کر دو۔ (ہم تم سے) حساب
 نہیں لیں گے۔“

اور جب مقامِ خاتم کی گفتگو آئی تو ارشاد ہوا:
 ”وَلَا أُخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ هُ وَلَا سَوْفَ
 يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ هُ“ (سورہ ص ص ۹۳)

”اور تیرے لیے آخرت، دنیا سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور عقرب
 تیرا رب تجھ کو اتنا عطا کرے گا (اتنا عطا کرے گا) کہ تو راضی ہو جائے۔“

یہاں عطائے رب کا یہ حال ہے۔ عطا کرنے والا طرف کو دیکھ کر عطا
 کرتا ہے، اُس کی صلاحیت کو دیکھ کر عطا کرتا ہے۔ استعداد کو دیکھ کر عطا
 فرماتا ہے۔ کوثر دیا ہے تو اُس کو دیا ہو گا جس میں کوثر (لینے) کی صلاحیت
 ہوگی، اُس میں کوثر کی استعداد بھی ہوگی، یہ خیرِ کثیر اُس کو دیا ہے۔ پھر

خیر کثیر کا لازمی نتیجہ — حبیب — ”سجدہ اور قربانی“ —
 فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ — پس نماز پڑھو (سجدہ کرو) اور قربانی دو —
 اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ — بیشک تیرا دشمن ہی ہے جو ابتر ہے۔
 دنیا تجھے کہہ رہی ہے کہ یہ اولاد نہیں رکھتا۔ تیری اولاد زندہ نہیں رہتی، اس کے
 معنی یہ نہیں کہ تو ابتر ہے، نہیں اے حبیب! تیرا دشمن ابتر ہے۔

دنیا گواہ ہے، تیری بیٹی کی نسل کو قیامت تک کے لیے باقی رکھوگا
 تیرا دشمن ابتر ہے۔ اپنے رسول کو اُس نے ایک بیٹی دی، دنیا کو حیرت تھی کہ
 زکریا کو یحییٰ عطا کرنے والا، ابراہیم کو اسماعیل جیسا بیٹا عطا کرنے والا، محمد کو
 ایک بیٹی عطا کر رہا ہے، مگر کیا معلوم تھا کہ پردے میں اس نسل کو آگے بڑھانا
 تھا۔ تاکہ قیامت تک نسل آگے بڑھتی جائے۔ اور حقیقت میں یہ کوثر بن
 جائے تاکہ اُس کوثر تک پہنچے جہاں محشر میں جام تقسیم ہوں گے۔

اب سورہ کوثر سمجھ میں آیا، حبیب! ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا۔
 خیر کثیر دیا، خیر دنیا عطا کیا، خیر عقبی عطا کیا، کثرتِ اولاد عطا کی ہے۔ اے
 حبیب! اُس کا شکریہ یہ ہے کہ — ”سجدہ اور قربانی“ —
 تیرا دشمن ابتر ہے۔ اے حبیب! تیری نسل میں جو آئے اُس کے لیے دُر نہیں
 ہے۔ قیامت تک یہ نسل جائے گی۔ تیرے پیغام کی حفاظت تیری نسل قیامت
 تک کرے گی۔

واضح طور پر امام بخاری نے صحیح بخاری میں اور حاکم نیشاپوری نے
 ”مستدرک“ میں اس امر کو لکھا کہ ”جب آیہ دُرود آئی اور لوگوں نے پوچھا
 ہم آپ پر دُرود کیسے پڑھیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: تم یوں دُرود پڑھا کرو۔
 ”اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا

صَلَّيْتَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ ۝ اللَّهُمَّ
 بَارِكْ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ
 عَلَىٰ آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مُّجِيدٌ - (صحیح بخاری ص ۸۹۲ ج ۲)
 ”اے اللہ! درود بھیج (رحمتیں نازل فرما) محمدؐ پر اور آلِ محمدؐ پر جس
 طرح تو نے رحمتیں نازل فرمائیں ابراہیمؑ پر بیشک تو قابلِ تعریف بزرگی
 والا ہے۔ اے اللہ! برکتیں نازل فرما محمدؐ پر اور آلِ محمدؐ پر جس طرح
 تو نے برکتیں نازل فرمائیں ابراہیمؑ کی آل پر، بیشک تو حمید ہے مجید ہے۔“
 آلِ ابراہیمؑ پر جب رحمتوں کو نازل کیا تو یہ آیت آئی ---
 ”إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَالْ
 عِمرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝“ (سورہ آل عمران آیت ۳۳)
 ”بیشک اللہ نے مصطفیٰ (منتخب) کیا آدم کو نوح کو اور آلِ ابراہیمؑ
 کو اور آلِ عمران کو (تمام) عالمین پر۔“

آلِ محمدؐ پر اسی طرح سے درود واجب ہے جس طرح آلِ ابراہیمؑ پر لازم ہے
 جس طرح محمدؐ مصطفیٰ ہیں اُن کی اولاد بھی مصطفیٰ ہے۔ یہ مقام مصطفیٰ ہے۔
 یہ اُس کے مصطفیٰ بندے ہیں۔ اس میں غلو نہیں ہے۔ کائنات میں ہماری عطا
 زندگی کی جان، ہماری روح، ہماری حیات کا مبداء، مادی، طبعی، سب کچھ
 خاتم النبیینؐ ہیں، مگر جس ذریت میں اُن کے دین کو باقی رکھا، اُن کے ایمان
 کو باقی رکھا، اُن کے پیغام کو باقی رکھا، اُن کے لیے قرآن نے کہا.....
 ہم نے یہ اہتمام کر دیا ہے کہ ہم تیری ذریت کو تجھ سے ملحق کر دیں گے،
 ”وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ
 أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ط
 (سورہ طور آیت ۷۱)

”اور صاحبانِ ایمان کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی تو ہم ان کی اولادوں کو بھی اُن سے ملا دیں گے۔ (ان کے درجے تک پہنچا دیں گے) اور اُن کی کارگزاریوں میں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے۔“

آپ ہمیشہ اس پر ایمان رکھیں کہ سب کچھ تو ذاتِ خاتم ہے مگر جب ذاتِ خاتم مقامِ منیت پر اپنے نواسے کو لیے اور یہ ارشاد ہو: ”حُسَيْنٌ مَتْنِيْ وَ اَنَا مِنْ الْحُسَيْنِ“ تو حسین بھی کوثر بنے ہوئے آگے بڑھ رہے ہیں، یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عطائے الہی کی منزل ہے، کوثر مجھے بھی عطا ہے، اب سجدہ کر کے قربانی دوں گا۔ اب سجدہ کروں گا اور قربانی دوں گا، یہ منزل حسین ہے، حسین کے لیے بھی کوثر ہے۔ حسین کے لیے بھی سجدہ ہے، حسین کے لیے بھی قربانی ہے، حسین کا دشمن ابتر ہے، نسلِ حسین چلے گی، ایک ایک بچہ کربلا میں قتل کر دیا گیا ہے لیکن آدم آلِ محمدؐ امام زین العابدینؑ ہیں۔ اس لیے حسین ابنِ علیؑ نے یہ طے کر لیا کہ جب میرے نانا کو کوثر عطا ہوا ہے، اور میرے نانا نے مجھے منیت کی منزل پر فائز کیا ہے۔ اور جب ہم آلِ ابراہیمؑ کی طرح اصطفیٰ کی منزل پر ہیں اور اُس کے مصطفیٰ بندے ہیں، اور جب ہم یہ کہتے ہیں:

”سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی“ (سورہ نمل آیت ۵۹)

”سلام ہو اُس کے مصطفیٰ بندوں پر۔“

یہ سلام اُس شہید پر بھی جاتا ہے کہ جس شہید نے کربلا میں سورہ کوثر کی تفسیر کر دی۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ اَنْحَرْ ہاں اب سجدہ اور قربانی! حسین اب تیری ہی فکر چلے گی، اب تیرا ہی تصور باقی رہے گا۔ اب لُ دماغ پر تو ہی چھایا ہوا رہے گا، اب نسلوں میں تیرا اثر و نفوذ رہے گا، تیرے دشمن کا تصور بھی باقی نہیں رہے گا۔ دشمن تیرا ابتر ہے۔ تو کوثر ہے۔

حسین نے سجدہ کیا اور اس شان کا سجدہ، محسوس کی دسویں سجدہ کا آغاز تھا کہ بلا کی جلتی ریتی پر سر کو جھکا کے سجدہ کیا، بیٹوں کی لاشیں اٹھائے سجدہ کیا، بھائی کو رو کر سجدہ کیا۔ اہل حرم کو اللہ کے حوالے کر کے سجدہ کیا، اور جب سجدے کی منزل پر آئے تو حسین کے دل نے یہ طے کیا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَاخْلُ بِهَا جَانِدَکِ قَرَابَانِی نہیں ہے، اپنے آپ کو قربان کیا رہ مولا میں اور ایک مرتبہ ترتیب آگئے۔

میر تقی میر کہتے ہیں:

رَیْزِ شَیْخِ سَیِّدِ مَیْرِ تَرْپَنَا کِیسا
سَر جَہی تَسْلِیْمِ مَحَبَّتِ مِیْنِ ہلایا نہ گِیا

حسین نے قربانی کی حقیقت کو سمجھایا، دنیا کو بتلایا، دیکھو کوثر ہم کو ملایا قربانی بھی خدا قبول کرے گا، اور خدا نے قربانی کو قبول کر لیا۔ اللہ! اس گھر کا اب کیا حال ہوگا جس گھر کے دشمن کی لاشیں نو میدان میں پڑی ہیں، یہاں خیمے جل رہے ہیں، یہاں بچے طانچے کھا رہے ہیں، یہاں بیبیوں کے سر سے چادریں چھینی جا رہی ہیں، یہاں رسول کی بارگاہ لٹ رہی ہے حسین تمھاری قربانی قبول ہوگئی۔ فاطمہ کی جان! اس سے بڑھ کے اور کیا قربانی کی منزل ہو سکتی ہے کہ تم نے بہتر قربانیاں اللہ کی راہ میں دیدیں۔ مگر اللہ۔۔۔ قربانی کی بھی ایک حد ہوتی ہے، لٹی ہوئی سیدانیاں چلے ہوئے خیموں سے باہر آگئیں۔ فضہ نے گھر اگر کہا: بی بی! آپ نے کچھ سنا؟ شہزادی نے فرمایا: فضہ کیا بات ہے؟ عرض کیا: شہزادی! بھائی کی لاش پر گھوڑے دوڑائے جائیں گے۔

ایک مرتبہ گھبرا کے مقتل کی جانب چلیں، جا کر یہ دیکھا کہ ایک ایک قبیلے

کا سردار آتا ہے اور ایک ایک شہید کی لاش کو ہٹا لیتا ہے۔ یہاں تک کہ
 حُر کے قافلے ولے آئے اور آکر حُر کے لشکر نے کہا — عمر سعد! ہمارے
 سردار نے تجھ سے بغاوت کی، لیکن وہ ہمارا سردار تھا، قوم عرب میں بڑی
 بے عزتی ہے کہ کسی کو قتل کرنے کے بعد اُس کی لاش پر گھوڑے دوڑاتے
 جائیں۔ اگر ہمارے سردار کے ساتھ بے ادبی ہوگی تو ہم تلواریں کھینچ لیں گے۔
 عمر سعد نے کہا: اچھا جاؤ حُر کا لاشہ لے جاؤ، حُر کے لشکر ولے تلواروں کے
 ساتے میں حُر کے لاشے کو لے کر یہ کہتے ہوئے چلے؛ جس کا وارث ہوتا ہے
 اُس کی لاش کو یوں لے کر چلتے ہیں۔

اب شہزادی زینبؓ کیا کریں — ! اب زینبؓ کس کو
 پکاریں — ! اب زینبؓ کس کو آواز دیں — !
 ایک مرتبہ نحت کی طرف منہ کر کے کہا — آؤ بابا —
 بیٹے کی لاش پائمال ہو رہی ہے۔ حسینؑ کی لاش پائمال ہو رہی ہے۔



”شہید علمائے حق“

شہیدِ اول علامہ شیخ شمس الدین
شہیدِ ثانی علامہ شیخ زین الدین
شہیدِ ثالث قاضی نور اللہ شوستری
شہیدِ رابع علامہ مرزا محمد کامل دہلوی
شہیدِ خامس آیت اللہ باقر الصدرؒ

کے

مکمل حالاتِ زندگی اور علمی خدمات کے موضوع پر
پہلی جامع کتاب

تالیف

علامہ سید ضمیر اختر نقوی

ناشر
۱۱۱

مرکزِ علومِ اسلامیہ کراچی

فون نمبر :- ۸۱۱۲۸۶۸

۱۶۰

زیر طبع

”مجلسِ تہابی“ جلد ہشتم
”ہدایت الہی“ (دس مجلسیں)

”مجلسِ تہابی“ جلد ہفتم
”دینِ مرقی“ (دس مجلسیں)

”مجلسِ تہابی“ جلد ہشتم
”اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ“ (دس مجلسیں)

”مجلسِ تہابی“ جلد نہم
”دعا اور اتمامِ نعمت“ (دس مجلسیں)

”مجلسِ تہابی“ جلد دہم
”اسلام میں حدیث کا اثر و رسوخ“ (دس مجلسیں)

مرکزِ علومِ اسلامیہ

فلیٹ نمبر ۴۔ آئی۔ نعمان ٹیرس فیز۔ ۳
یونیورسٹی روڈ۔ گلشن اقبال بلاک گیارہ کراچی

فون ۱۔ ۸۱۱۲۸۶۸ — ۸۱۱۰۶۴۵